حکومت سے منظور شدہ ایکسپورٹ ہاؤس
سپر ٹینری لمیٹیڈ
• برنشڈ بف کاف • فیشن ایبل لیدرز • آئل پُل اَپ • انڈسٹریل سیفٹی بوٹ لیدرز • نو بک • واٹر پروف لیدرز • گارمنٹ نپّا • شوانیڈ بوٹ اَپرز
SUPER TANNERY LIMITED
(A Government Recognised Export House)
187/170,JAJMAU ROAD, KANPUR-208010 (INDIA)
Tel:+91-512-2460137,2465362,2462138,2461079
Fax:+91-512-2460792,2462227,
Email:supertannery@satyam.net.in
Website:www.supertannery.org

"اس شخص سے بہتر کس کی بات ہوسکتی ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے اور کہے کہ میں مسلمانوں میں سے ہوں۔" (قرآن)

سہ روزہ دعوت نئی دہلی

مئو کا بنا تیز اثر دار افضلس نورانی تیل
لیبل و کیپ پر AFZALS اور MAU CITY دیکھ کر خریدیں
بدن کے ہر قسم کے درد، زخم، چوٹ ورم، سردی کے امراض نیز بچوں کی بہت سی بیماریوں مثلاً حلقہ، خنّاقہ، کھانسی، نزلہ وزکام وغیرہ میں مجرب ومفید ہے۔
AFZALS Since - 1977
INDIAN CHEMICAL CO. NEW CHEMICAL COMPANY Maunath Bhanjan-275101, (U.P.)
info@afzalsnoorani.com / afzals_noorani@yahoo.com www.afzalsnoorani.com

• جلد: ۵۷ • شمارہ: ۲۴ • ۱۳؍مارچ ۲۰۰۹ء • 13 Mar. 2009 • جمعہ • ۱۵؍ربیع الاول ۱۴۳۰ھ • قیمت Rs.5/= • سعودی عرب اور دیگر خلیجی ملکوں کیلئے ۲؍ریال • Posting: 11 Mar. 2009 Wednesday

مسلم ووٹ اپنی نمائندگی بڑھانے میں پیچھے کیوں رہ جاتے ہیں؟

جب بھی ملک میں انتخابی موسم آتا ہے، سیاسی پارٹیوں خصوصاً اپنے آپ کو سیکولر کہنے والی پارٹیوں کو جتنی فکر انتخابی ایشوز اور رائے دہندگان کو رجھانے والے ہتھکنڈوں کی ہوتی ہے اس سے کم فکر مسلم ووٹوں کے حصول کی نہیں ہوتی۔ سبھی سیاسی پارٹیاں بشمول ہندتو کی سیاست کرنے والی بی جے پی مسلم ووٹوں کی اہمیت کو تسلیم کرتی ہیں اور انہیں حاصل کرنے کی کوشش کرتی ہیں، اگر کسی کو واقعی فکر نہیں ہوتی تو وہ مسلم قوم ہے جو آج تک یہ سمجھ نہیں سکی کہ ملکی سیاست میں اس کے ووٹوں کی کتنی اہمیت ہے اور اس سے کیا کیا کام کرائے جاسکتے ہیں اور آبادی وووٹ کے لحاظ سے پارلیمنٹ اور اسمبلیوں میں اپنی نمائندگی کتنی بڑھائی جاسکتی ہے، سیاسی شعور سے کام نہ لینے کا نتیجہ ہی ہے کہ انتخابات تک ہی سیاسی پارٹیوں کے نزدیک مسلم ووٹوں کی اہمیت ہوتی ہے جیسے ہی انتخابات ختم ہوتے ہیں اور نئی حکومت تشکیل دی جاتی ہے، مسلمان اور ان کے مسائل حاشیے پر ڈال دیے جاتے ہیں، نہ تو ووٹ اور آبادی کے لحاظ سے حکومت اور وزارتی کونسل میں انہیں مناسب نمائندگی دی جاتی ہے اور نہ ہی حکومت کی ترجیحات میں ان کے مسائل شامل ہو پاتے ہیں۔ چھوٹی چھوٹی ذاتیں ذات پات کی سیاست کے ذریعہ اور علاقہ کے لوگ علاقائیت کی سیاست کے ذریعہ اپنے مسائل حکومت کے ذریعہ حل کرالیتے ہیں لیکن ملک کی سب سے بڑی اقلیت اپنے مسائل کے حل کے لئے در در کی ٹھوکریں کھاتی رہتی ہے اور ہر جگہ اسے مایوسی ہوتی ہے۔

یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ ملک کی آزادی کے بعد جیسے جیسے مسلمانوں کی آبادی بڑھی اس کے حساب سے پارلیمنٹ میں ان کی نمائندگی کا تناسب گرتا ہی رہا۔ آج صورتحال یہ ہے کہ سرکاری اعداد وشمار کے مطابق ملک کی ایک ارب سے زائد آبادی میں مسلمانوں کی آبادی تقریباً ۱۴ کروڑ اور غیر سرکاری اعداد وشمار کے مطابق ۲۰ کروڑ سے اوپر ہے جب کہ چودہویں لوک سبھا میں ان کے صرف ۳۶ نمائندے ہیں جن کا تناسب ۶٫۷ فیصد ہوتا ہے، راجیہ سبھا میں بھی ۲۴۲ میں سے صرف ۲۵ مسلم ممبران ہیں، لوک سبھا میں مسلم نمائندگی کا یہ تناسب آزادی کے بعد سے اب تک کچھ اسی طرح رہا ہے، پہلی لوک سبھا میں مسلم نمائندگی ۳۶ تناسب ۷٫۲، دوسری میں ۲۴ تناسب ۴٫۸ تیسری میں ۳۲ تناسب ۶٫۵، ساتویں میں ۶۴ تناسب ۸٫۵، آٹھویں میں ۴۱ تناسب ۷٫۵، نویں میں ۳۳ تناسب ۶٫۴، دسویں میں ۲۸ تناسب ۵٫۱، گیارہویں میں ۲۶ تناسب ۴٫۸، بارہویں میں ۲۹ تناسب ۵٫۳، تیرہویں میں ۳۱ تناسب ۵٫۷ اور چودہویں موجودہ لوک سبھا میں ان کی نمائندگی ۳۶ رہی جس کا تناسب ۶٫۷ فیصد ہوتا ہے۔ اگر دیکھا جائے تو آزادی کے بعد سے اب تک لوک سبھا میں مسلمانوں کی نمائندگی زیادہ تر پانچ اور چھ فیصد کے درمیان رہی، صرف پہلی اور آٹھویں لوک سبھا میں ان کا تناسب سات سے اوپر رہا اور ساتویں لوک سبھا میں جب پہلی بار ریکارڈ ۴۶ مسلمان کامیاب ہوکر لوک سبھا پہنچے تھے تو ان کا تناسب ساڑھے آٹھ فیصد ہوگیا، وہ بھی ملک میں آبادی کے تناسب سے کافی کم تھا۔

ایسی بات نہیں ہے کہ مسلم امیدوار اس سے زیادہ کامیاب نہیں ہوسکتے، وہ اس پوزیشن میں ہیں کہ اگر سیاسی شعور اور دانشمندی سے کام لیں تو لوک سبھا میں آسانی سے اپنی نمائندگی اس سے دوگنی کرسکتے ہیں کیونکہ کم از کم سو پارلیمانی حلقے ایسے ہیں جہاں سے مسلم اُمیدواروں کو کامیاب بنایا جاسکتا ہے۔ کیرلا اور آسام میں ان کی آبادی ۳۰ فیصد، مغربی بنگال میں ۲۵ فیصد، شمالی ہند جہاں سے لوک سبھا کی ۱۲۰ نشستیں ہیں ان کی آبادی ۱۵ فیصد ہے، مہاراشٹر میں بھی ان کی آبادی ۱۵ فیصد ہے۔ اگر یہ کہا جائے تو غلط نہیں ہوگا کہ جس پارٹی پر مسلمان مہربان ہوجاتے ہیں اسے اقتدار میں کردیتے ہیں اور جس سے ناراض ہوجاتے ہیں اسے اقتدار سے باہر بھی کردیتے ہیں، اس کا تجربہ سبھی پارٹیوں کو ہے۔ آزادی کے بعد سے ایمرجنسی کے حالات کو چھوڑ کر ۹۰ء کی دہائی مسلم ووٹ کی بدولت ہی کانگریس مرکز اور بیشتر ریاستوں میں اقتدار میں رہی۔ بابری مسجد کے انہدام کے بعد جب مسلمان اس سے ناراض ہوئے تو بیشتر ریاستوں میں اقتدار اس کے ہاتھوں سے نکل گیا۔ مرکزی سطح پر بھی وہ اس پوزیشن میں نہیں رہی کہ اپنے بل بوتے پر حکومت کرسکتی۔ اتر پردیش میں کبھی سماجوادی پارٹی اور کبھی بہوجن سماج پارٹی مسلم ووٹوں کی بدولت ہی اقتدار میں آتی ہے۔

مغربی بنگال کی بائیں محاذ حکومت بھی اب تک حکومت کرتی چلی آرہی ہے۔ جب کہ بہار میں راشٹریہ جنتادل نے مسلمانوں کی حمایت سے پندرہ سال تک حکومت کی اور جب مسلمانوں نے ووٹ نہیں دیا تو پارٹی اقتدار سے باہر ہوگئی۔ غرضیکہ مسلمان نہ صرف ریاستی اسمبلیوں اور پارلیمنٹ میں اپنی نمائندگی بڑھانے کی پوزیشن میں ہیں بلکہ حکومت سازی میں بھی ان کی مثبت اور منفی ووٹنگ کا اہم رول ہوتا ہے۔ مثبت ووٹنگ کا فائدہ تو سیکولر پارٹیاں اٹھاتی ہیں جب کہ منفی ووٹنگ کا فائدہ بی جے پی۔

اب جب کہ لوک سبھا کے انتخابات ہونے والے ہیں ایک بار پھر تمام سیاسی پارٹیاں مسلم ووٹوں کی طرف للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہی ہیں۔ کانگریس ہو یا بائیں محاذ کی پارٹیاں، راشٹریہ جنتادل ہو یا جنتادل متحدہ، سماجوادی پارٹی ہو یا بہوجن سماج پارٹی، ڈی ایم کے ہو یا تلگودیشم حتی کہ مسلم مخالف امیج رکھنے والی بی جے پی اور شیوسینا کی بھی کوشش ہے کہ مسلم ووٹ اسے مل جائیں اگر نہیں ملیں تو منتشر ہوکر ضائع ہوجائیں۔

مسلم ووٹوں سے جس پارٹی کو فائدہ پہنچتا ہے اسمبلیوں اور پارلیمنٹ میں اس کا گراف اوپر چڑھ جاتا ہے اور جس کو کسی بھی وجہ سے ووٹ نہیں ملتے اس کا گراف نیچے گرجاتا ہے۔ سیاسی پارٹیوں کے لئے سبز باغ دکھا کر مسلم ووٹوں کو حاصل کرنا جتنا آسان ہے، اتنا ہی آسان اسے تقسیم کرکے ضائع کرنا بھی ہوتا ہے اور بیک وقت دونوں طرح کی کوششیں جاری رہتی ہیں۔ ایسے حالات میں مسلم امیدواروں کو کامیاب بنانا اور سیکولر پارٹیوں کی حکومت قائم کرانا آسان نہیں ہوتا۔ مسلمانوں کے ساتھ ایک بڑا المیہ یہ ہے کہ ایک تو ان کے بیشتر ووٹ تقسیم ہوکر ضائع ہوجاتے ہیں۔ دوسرے اگر وہ کسی مسلم امیدوار کو کامیاب بنانا بھی چاہتے ہیں تو اسے غیر مسلم ووٹ حتی کہ خود اس کی پارٹی کے حامی ووٹ نہیں دیتے۔ ایسے حالات میں یہ مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ بہت ہی سوچ سمجھ کر اپنے حق رائے دہی کا استعمال کرکے کم از کم ان حلقوں سے مسلم امیدواروں کو کامیاب بنائیں جہاں وہ فیصلہ کن حیثیت رکھتے ہیں اور دیگر حلقوں میں کامیاب ہونے والے سیکولر امیدواروں اس طرح کامیاب بنائیں کہ انہیں احساس ہو کہ وہ ان کے ووٹ سے کامیاب ہوئے ہیں۔ تبھی مسلمانوں کی ووٹنگ ان کے حق میں فائدہ مند ثابت ہوسکتی ہے۔

(ص ن)

پولیس کے خطا کار افسران کی سرزنش بھی ضروری ہے

دہلی پولیس کے لوگوں نے ۱۳؍دسمبر ۲۰۰۵ء کو ارشاد علی کو اور ۲۲؍دسمبر کو محمد عارف قمر کو اغوا کیا اور ایک مدت تک جس بیجا میں رکھنے اور طرح طرح سے اذیتیں دینے کے بعد ۹؍فروری ۲۰۰۹ء کو جی ٹی کرنال روڈ کے مکریا چوک کے پاس سے جموں وکشمیر کی روڈ ویز بس جے کے ۲۰ وائی ۲۹۹ سے گرفتاری دکھاتے ہوئے ان کے قبضے سے مہلک آتشیں ہتھیار، دھماکہ خیز مادہ اور ڈیٹونیٹر کی برآمدگی کا دعویٰ بھی کیا اور انہیں سنگین جرائم سے متعلق دفعات کے تحت جیل بھیج دیا۔ پولیس والے اپنی عادت، روایت اور غالباً مشن کے مطابق ان کو خطرناک دہشت گرد قرار دیتے ہوئے انکاؤنٹر کے نام پر موت کے گھاٹ بھی اتار سکتے تھے جس سے انہیں واہ واہی بھی ملتی۔ انعامات و ایوارڈ بھی ملتے اور پرموشن بھی ہوتے۔ مسلمانوں کے خلاف نفرت انگیزی کا ایک بڑا مقصد بھی پورا ہوتا اور شاید اس سے بھی بڑا مقصد مسلمانوں کی آبادی میں دو افراد کی کمی بھی ہوتی کہ شاید ہندوتوادیوں کے نزدیک یہ دھارمک یودھ کے تحت کوئی بہت بڑا پنیہ کا کام بھی ہوتا۔ لیکن اغوا شدگان کے اعزا و اقارب نے صدر جمہوریہ، وزیر اعظم، پولیس کمشنر اور لیفٹننٹ گورنر وغیرہ سے ٹیلیگرام کے ذریعے شکایت کردی تھی، اتنا ہی نہیں انھوں نے تھانے میں بھی گمشدگی کی رپورٹ درج کرادی تھی جس کی بنیاد پر نہ صرف اخبارات میں ان کی گمشدگی کے اشتہارات شائع کرادیے گئے بلکہ پورے بھارت میں وائرلیس سے بھی اطلاع نشر کردی گئی تھی اس لئے پولیس والوں نے انہیں ۹؍فروری کو جیل میں دھکیل دیا۔ ظاہر ہے ان دونوں افراد کے سلسلے میں اس قدر پیش بندی کے بعد اتنے دن تک حبس میں رکھنا اور پھر دہشت گرد قرار دے کر اور اتنا سامان برآمد دکھا کر جیل بھیجنا اعلیٰ سطحی غور وفکر اور مشورے کے بغیر نہیں ہوسکتا تھا۔ یہ کام بہت منصوبہ بندی کے ساتھ انجام دیا گیا کہ انہیں مبینہ دہشت گرد تنظیم البدر سے وابستہ قرار دیا گیا، حالانکہ ان کے تعلقات آئی بی (انٹلی جنس بیورو) اور وزارت داخلہ سے تھے جہاں سے لینڈ لائن پر انہیں ٹیلیفون کئے جاتے تھے۔ اتنا ہی نہیں دہلی پولیس کی اسپیشل برانچ کے ڈی سی پی اور اے سی پی آفس سے بھی فون کئے جاتے تھے۔ وہ ان سب محکموں اور دفاتر کے لئے مخبر کا کام کرتے تھے۔ اس سلسلے میں سی بی آئی نے کال ڈیٹیل کے علاوہ ان کے بارے میں تفصیلی معلومات جمع کی ہیں اور اپنی رپورٹ میں جو کورٹ میں پیش کردی گئی ہے، کہا ہے کہ اس قسم کا کوئی ثبوت نہیں ہے جس سے ان کا البدر سے تعلق ظاہر ہو۔ اس کے برعکس دہلی پولیس اور انٹیلیجنس کے افسران نے تحقیقات کے دوران تسلیم کیا کہ وہ ان کے انفار مر مخبر تھے۔ سی بی آئی نے اپنی رپورٹ میں یہاں تک کہا ہے کہ ملزموں کو ناجائز طریقے سے حراست میں رکھا گیا جبکہ انہیں آئی بی کے آدمی نے بلایا تھا۔

واضح ہو کہ ان دونوں افراد کو الزامات سے بری کرنے اور زیریں عدالت کے مقدمے جاری رکھنے کے آرڈر کو چیلنج کرنے والی ایک پٹیشن دہلی ہائی کورٹ میں دائر کی گئی ہے جس کی بنیاد پر ہائی کورٹ نے دہلی پولیس کو نوٹس جاری کرکے ۲۰؍اپریل تک اپنا جواب داخل کرنے کے لئے کہا ہے۔ جسٹس ایم سی گرگ کی بنچ کے سامنے ان دونوں افراد کے وکیل سفیان صدیقی نے اپنی جرح میں کہا ہے کہ پولیس کا بیان بالکل بے بنیاد اور جھوٹا ہے۔ سی بی آئی بھی ان کے بارے میں ہائی کورٹ کی ایک اور بنچ کو اپنی رپورٹ میں کلین چٹ دے چکی ہے جس کی بنیاد پر سیشن کورٹ سے انہیں الزامات سے بری کرنے کی اپیل کی گئی، لیکن جج نے ان پر آگے مقدمے کا آرڈر دے دیا۔ اس پٹیشن پر سی بی آئی نے ہائی کورٹ میں کوئی اعتراض نہ کرنے کی بات کہی تب دہلی پولیس کو نوٹس دیا گیا ہے۔

یاد رہے کہ اس کیس کی سی بی آئی نے ہائی کورٹ کے آرڈر پر ہی تحقیقات کی تھی۔ اس نے اپنی رپورٹ میں بتایا کہ خالد عرف ماجد ایم دین اور آفتاب عرف سید عارف حیدر آئی بی کے لئے ۲۰۰۰ء سے کام کرتے تھے انہی کے لئے ارشاد علی بطور سورس کام کرتا تھا اس کے علاوہ اسپیشل برانچ کے دو انسپکٹروں کا بھی سورس تھا۔ وہ گرفتاری سے پہلے آٹو رکشہ چلایا کرتا تھا۔ اس کے پاس تین موبائل تھے ان سے ایک موبائل پر چودہ کال آئی بی وزارت داخلہ کے لینڈ لائن نمبر سے یکم اکتوبر ۲۰۰۵ء سے ۳۱؍مارچ ۲۰۰۶ء کے دوران

باقی صفحہ ۶ پر

بلا تبصرہ

مالیگاؤں، ناندیڑ اور کانپور میں ہندو تنظیموں کی جانب سے بم بنانے اور دھماکہ کرنے کے جو بھی خوفناک معاملے سامنے آئے تھے اس میں ملوث لوگوں کی علانیہ مذمت آخر وشو ہندو پریشد کے لیڈر نے کیوں نہیں کی، اور وشو ہندو پریشد کی جانب سے "فتویٰ کیوں نہیں جاری کیا کہ ۲۶؍جنوری یا ۱۵؍اگست کے دن بھی ساور کر سدن جیسی جگہوں پر ترنگا جھنڈا نہیں پھہرایا جاتا؟ دیش بھکتی کا نعرہ لگاتے نہ تھکنے والے لوگ آخر آر ایس ایس کی شاکھائیں ترنگے جھنڈے کو پھہرا کر کیوں نہیں لگاتے؟

مدرا راکشش کے کالم "اسے" سے ماخوذ راشٹریہ سہارا، ۸؍مارچ ۲۰۰۹ء

خبر ونظر

عمل اور نتیجۂ عمل

یہ خیال کہ پاکستان کے خلاف عالمی ماحول بنانے میں خود حکومت پاکستان بھی شامل ہے، بے بنیاد نہیں ہے۔ عمل اور نتیجۂ عمل کو سامنے رکھ کر بات کی جائے تو یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ امریکہ، انڈیا، برطانیہ اسرائیل اور افغانستان کے ساتھ مل کر پاکستان خود اپنے خلاف ماحول بنا رہا ہے۔ تازہ ترین ثبوت سری لنکا کی ٹیم پر حملہ ہے جس کے بارے میں خبر آئی ہے کہ لشکر طیبہ نے کیا ہے۔ یہ بیان خود پاکستانی حکام کا ہے جس کی تائید ہندوستانی ایجنسیوں نے بھی کی ہے۔ دونوں طرف سے یہ بھی کہا گیا ہے کہ لاہور میں کرکٹ ٹیم پر اور نومبر میں ممبئی پر حملہ کرنے والے ایک ہی گروپ سے تعلق رکھتے ہیں کیونکہ دونوں حملوں کے طور وطریقوں میں مماثلت پائی گئی ہے۔ اور یہ لشکر طیبہ کیا ہے؟ ہندوستانی ایجنسیوں کا کہنا ہے کہ پاکستان کا تربیت یافتہ دہشت گرد گروپ ہے۔ ممبئی پر حملوں کے سلسلے میں حکومت ہند اور میڈیا کا مسلسل اصرار رہا کہ لشکر طیبہ نے یہ حملے آئی ایس آئی کی مدد سے کئے تھے اور اس میں حکومت پاکستان پوری طرح شامل تھی۔

کس کو فائدہ، کس کا نقصان؟

اور سری لنکا کی ٹیم پر حملے سے کس کو فائدہ پہنچا کسے نقصان اٹھانا پڑا؟ پاکستان کرکٹ کی دنیا کا معتوب ترین ملک بن گیا، ٹیم واپس چلی گئی، دوسری ٹیموں نے پاکستان کے دورے منسوخ کردیے، ورلڈ کپ کا میچ غیر یقینی ہوگیا۔ اس کے برعکس ہندوستان کو بہت بڑی کامیابی ملی۔ ہمارا ملک عرصے سے کوشاں تھا کہ پاکستان کو کرکٹ کے میدان ہی میں نہیں عالمی مطلع پر بھی شکست دے کر اُس کا کیریئر ختم کردے۔ تو کیا یہ کہنا غلط ہوگا کہ پاکستان نے اپنے پروردہ لشکر طیبہ سے لاہور میں حملہ کراکے ہندوستان کی یہ تمنا پوری کردی۔ اگر ہندوستانی خفیہ ایجنسیوں کی بات کا اعتبار کیا جائے تو پاکستان کا واحد کام اب صرف اپنے دہشت گرد گروپ ہندوستان بھیج کر کارروائیاں کرانا رہ گیا ہے۔ ۲۸؍فروری کے ایشین ایج کے پہلے صفحہ کی ایک خبر کے مطابق "پاکستانی حکام نے مقبوضہ کشمیر کے میر پور اور مظفر آباد میں دہشت گردی کی تربیت دینے والے لشکر طیبہ اور حزب المجاہدین گروپوں کو حکم دیا ہے کہ بھارت کے خلاف اپنی سرگرمیاں تیز کردیں، ان سرگرمیوں کے نتائج بھی سامنے آنے چاہئیں، ورنہ ایک ماہ بعد کیمپوں کی مالی امداد بند کردی جائے گی۔" اخبار نے یہ خبر خفیہ ایجنسیوں کے حوالے سے دی ہے۔

کیا پاکستان ذہنی توازن کھو بیٹھا ہے؟

خفیہ ایجنسیوں نے اخبار کو یہ معلومات ۲۷؍فروری کو فراہم کی تھیں۔ اس کے بعد ۳؍مارچ کو لشکر طیبہ نے لاہور میں لنکا کی ٹیم پر حملہ کیا۔ ۷؍مارچ کو ہندوستانی خفیہ ایجنسیوں نے اخبار کو پھر بتایا کہ "پاکستانی حکام نے لشکر طیبہ اور حزب المجاہدین کو ہدایت دی ہے کہ اپنے پندرہ سو دہشت گرد ہندوستان بھیج کر مارچ کے اختتام تک کئی کارروائیاں کرائیں۔" (ایشین ایج ۸؍مارچ) ہندوستانی ایجنسیوں اور میڈیا کا کہنا تو یہی ہے کہ پاکستان یہ کام ہندوستان کو نقصان پہنچانے کے لئے کررہا ہے۔ لیکن عملاً ہو یہ رہا ہے کہ اس سے ہندوستان کو زبردست سیاسی، سفارتی، عسکری اور بین الاقوامی فوائد پہنچ رہے ہیں جب کہ پاکستان بے پناہ نقصان اٹھا رہا ہے۔ ساری دنیا اس پر لعنت بھیج رہی ہے اور اس لعنت کو دعوت اس نے خود ہی دی ہے۔ کوئی بھی ملک جو ہوش وحواس میں ہو اپنے حریف کے خلاف کوئی ایسی کارروائی نہیں کرسکتا جس سے اس کی اپنی تباہی یقینی ہو۔ اگر ہندوستانی ایجنسیوں اور میڈیا کے دعوے درست تسلیم کرلئے جائیں کہ ممبئی پر حملے بھی پاکستان نے کرائے تھے اور لاہور میں دہشت گردی بھی اُسی کے دہشت گردوں کا کام تھا تو مان لینا چاہئے کہ پاکستان اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھا ہے۔ اب اگر تنظیم اسلامی کانفرنس نام کی کوئی چیز آج بھی موجود ہو تو اسے اپنے ایک ممبر کی حالت پر توجہ دینی چاہئے۔ (پ ر)

رائے دہندگان کی بھی یہ ذمہ داری ہے کہ....

الیکشن کا موسم جب بھی آتا ہے، وعدوں کی بہار آجاتی ہے، آج یہ کوئی نئی بات نہیں ہے ہمیشہ سے یہی ہوتا چلا آرہا ہے۔ سیاسی پارٹیوں کی یہ ریت رہی ہے کہ رائے دہندگان کو اپنی طرف متوجہ کرنے اور اپنا ہمنوا بنانے کے لئے زیادہ سے زیادہ اور پرکشش وعدے کئے جائیں، ہر سیاسی جماعت اس معاملے میں سامنے والی جماعت اور خاص طور پر اپنی حریف جماعت کو پیچھے چھوڑ دینا چاہتی ہے، اب یہ رائے دہندگان کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ آنکھ موند کر اپنا فیصلہ نہ کریں، بلکہ کارکردگی کی بنیاد پر حمایت اور مخالفت کا فیصلہ کریں، اس بار بھی یہی ہورہا ہے کہ ہر سیاسی جماعت رائے دہندگان کو اپنا ہمنوا بنانے اور اس کی حمایت حاصل کرنے کے لئے خوشنما اور دلکش وعدے کررہی ہیں۔ اس میں کوئی تخصیص نہیں ہے، بڑی چھوٹی ساری سیاسی جماعتیں اس معاملے میں برابر ہیں۔ بلکہ چھوٹی جماعتیں تو ایسے ایسے نعرے دے رہی ہیں جو بظاہر مضحکہ خیز معلوم ہورہے ہیں۔ مثال کے طور پر تیلگو دیسم پارٹی نے اور دوسرے وعدوں کے ساتھ ایک وعدہ یہ بھی کیا ہے کہ اگر اس کو اقتدار نصیب ہوا تو وہ گھر گھر رنگین ٹی وی پہنچادے گی، اس کو دیکھ کر ایسا محسوس ہورہا ہے کہ یا تو وہ معاشی حالات سے بے خبر ہے یا ووٹروں کو نہایت بے وقوف سمجھتی ہے، یہ تو کہا نہیں جاسکتا کہ وہ اس عالمی معاشی بحران سے اور اس کے مضمرات سے بے خبر ہے جس نے پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے، ہندوستان بھی اس سے محفوظ نہیں ہے، اس کو اس کی خبر بھی یقیناً ہوگی اور کم از کم اس کے لیڈران ضرور اس سے آگاہ ہوں گے کہ شرح نمو برابر کم ہورہی ہے۔ بڑی بڑی کمپنیاں عالمی معاشی بحران سے غیر معمولی طور پر متاثر ہورہی ہیں، معاشی واقتصادی امور کے ماہرین یہ کہہ رہے ہیں کہ حالات سدھر نہیں رہے ہیں بلکہ ابتری کی طرف جارہے ہیں، ابھی ہمارے ملک میں وہ حالات تو نہیں پیدا ہوئے ہیں جن سے اس وقت امریکہ اور یورپ کے ممالک دوچار ہیں لیکن ایسا بھی نہیں کہا جاسکتا کہ یہاں سب خیریت ہے۔ جب کہ لوگوں کی قوت خرید ہی بری طرح متاثر ہوجائے گی اور سرکاری خزانے کی حالت بھی مستحکم نہیں رہے گی تو خوشنما وعدوں کا کیا کریں گے۔

اس وقت صورت حال یہ ہے کہ مرکز میں اگر یو پی اے کی حکومت ہے تو ملک کی کئی ریاستیں ایسی ہیں جہاں این ڈی اے نام کی کوئی چیز نہیں ہے بلکہ وہاں بی جے پی کی حکومت ہے، جیسے گجرات، مدھیہ پردیش، چھتیس گڑھ وغیرہ، بہار میں این ڈی اے کی حکومت ہے، بعض ریاستیں ایسی ہیں جہاں یو پی اے میں شامل جماعت حکمراں ہے، بعض ریاستوں میں بائیں بازو کی حکومت ہے۔ جیسے مغربی بنگال لیکن بعض جگہ وہ حکومت میں شریک ہے۔ جیسے کیرالہ گویا مرکز میں بھی کسی ایک جماعت کی نہیں بلکہ ایک اتحاد کی حکومت ہے اور اب کسی بھی جماعت کے لئے یہ کہنا ممکن نہیں ہے کہ حکومت واقتدار سے چوں کہ وہ دور ہے لہٰذا وہ مجبور اور جواب دہی سے مستثنیٰ ہے، بالواسطہ حکمرانی میں تو سبھی شریک ہیں، یہ ضرور ہے کہ مرکز میں جس کی حکومت ہوگی وہ ایک درجہ بہتر حالت میں ہوگی۔ لیکن جواب دہی سے کوئی بچ نہیں سکتا، کیونکہ ریاستی حکومتوں کو بھی بہت زیادہ اختیارات حاصل ہوتے ہیں، عوام کے لئے بھی ایسی کوئی مجبوری نہیں ہے، وہ اب کسی ایک کو چننے اور فیصلہ کرنے کی آزادی رکھتے

باقی صفحہ ۶ پر

مراقش-ایران کے سفارتی تعلقات منقطع

رباط- مراقش نے بحرین کی خود مختاری پر سوال اٹھائے جانے کے بعد ایران کے ساتھ اپنے سفارتی تعلقات منقطع کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ مراقش کی وزارت خارجہ نے ایک بیان میں اس کا اعلان کیا۔ مبصرین کا کہنا ہے کہ مراقش نے بحرین کے تئیں ایران کے رویہ سے ناراض ہوکر یہ قدم اٹھایا ہے۔

افغانستان میں صدارتی الیکشن

کابل- افغانستان کے صدر حامد کرزئی نے آخر کار اقوام متحدہ، امریکہ اور دیگر اتحادیوں کے سخت دباؤ میں ۲۰؍اگست کو صدارتی الیکشن کرانے کے الیکشن کمیشن کے فیصلے کو تسلیم کرلیا۔ اس سے قبل انہوں نے اپریل میں صدارتی الیکشن کرانے کی بات کہہ کر ایک تنازعہ کھڑا کردیا تھا۔ اب انہوں نے مئی میں اپنی مدت کار ختم ہونے کے بعد ملک کے نئے صدر کے انتخاب کے لئے قومی اتفاق رائے کی اپیل کی ہے۔

گودھرا کیس کی دفعات وعدالت تبدیل

احمد آباد- گجرات میں آخر کار گودھرا کیس پر سے پوٹا بھی ختم ہوگیا اور کیس پوٹا عدالت سے سیشن کورٹ بھی منتقل ہوگیا۔ خصوصی پوٹا عدالت نے ایک ملزم کے وکیل کی طرف سے دائر کردہ عرضی کی بنیاد پر کیس کو عام دفعات کے تحت گودھرا کی سیشن عدالت میں منتقل کردیا۔ واضح رہے کہ گودھرا سانحہ میں ۵۹ لوگ مارے گئے تھے اور پوٹا کے تحت ۱۳۴ لوگوں کو ملزم بنایا گیا تھا۔ جن میں سے ۷۹ اب بھی جیلوں میں ہیں اور باقی مفرور ہیں۔ مرکزی پوٹا ریویو کمیٹی نے ان پر پوٹا کے استعمال کو غلط بتاتے ہوئے اسے ہٹانے کی سفارش کی تھی۔ جسے ریاستی حکومت اور ابتداء میں گجرات ہائی کورٹ نے مسترد کردیا تھا لیکن سپریم کورٹ نے سفارش کو صحیح ٹھہراتے ہوئے پوٹا ہٹانے، کیس کو دوسری عدالت میں منتقل کرنے اور ملزمین کی ضمانت پر غور کرنے کی ہدایت دی تھی۔ اس کے بعد بھی یہ معاملہ پوٹا عدالت اور گجرات ہائی کورٹ سے چکر لگاتے ہوئے پھر سپریم کورٹ پہنچ گیا اس طرح یہ کیس ایک عرصے تک پوٹا ہٹانے کے اسٹے آرڈر جاری کرنے سے متعلق حکومت گجرات کی عرضی کی وجہ سے الجھا رہا۔ آخر کار ۷؍مارچ کو سپریم کورٹ نے پوٹا ریویو کمیٹی کی سفارش منظور کرلی اور پوٹا عدالت سے کیس کی منتقلی پر گجرات ہائی کورٹ سے دیئے گئے اسٹے آرڈر کو آگے بڑھانے سے انکار کردیا۔

گجرات میں انصاف کیساتھ مذاق جاری

سابر کانٹھا- گجرات فساد کے ایک اور کیس میں انصاف مذاق بن گیا۔ سابر کانٹھا میں مسلمانوں کے قتل عام میں ملوث ۲۵ ملزمان کو ثبوتوں کے فقدان کے باعث ضلع کے سیشن کورٹ نے بری کردیا۔ ۶؍مارچ ۲۰۰۲ء کو ہوئے اس قتل عام میں کئی ملزموں کی شناخت ہوجانے کے بعد تفتیشی ایجنسیوں نے ایسا جانبدارانہ رویہ اختیار کیا اور ایسی رپورٹ عدالت میں داخل کی کہ انصاف کے نام پر سات سال تک مقدمہ کی سماعت زبانی جمع خرچ کے سوا کچھ بھی نہیں نکلی، ایف آئی آر اپنی جگہ پر آج بھی انصاف کے لئے ترس رہی ہے اور تمام ملزمین رہا ہوگئے۔

افغانستان میں انسانی حقوق کی پامالی

کابل-اقوام متحدہ نے انسانی حقوق سے متعلق اپنی سالانہ رپورٹ میں کہا ہے کہ افغانستان میں انسانی حقوق کی پامالیوں کا معاملہ سنگین صورتحال اختیار کررہا ہے اور حکومت افغانستان شہریوں کے تحفظ کے لئے جامع اقدامات کرے۔

احوالِ وفات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

(مولانا) حذیفہ وستانوی
(استاذ جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم، اکل کوا)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت دنیا کے عظیم ترین انقلابوں میں سے ایک اہم انقلاب کا پیش خیمہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ مثالیہ میں ماہ ربیع الاول بڑی اہمیت کا حامل رہا ہے۔ اس لئے کہ اسی ماہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پُرنور ولادت باسعادت بھی ہوئی، اسی ماہ میں بحکم خداوندی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کی رفاقت میں مدینہ کی طرف ہجرت بھی ہوئی اور اسی ماہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات حسرت آیات بھی ہوئی تو آیئے ہم ان تینوں واقعات کے عالم پر کیا اثرات مرتب ہوئے اس کا جائزہ لیتے ہیں۔

مذکورہ تینوں واقعات "ولادت، ہجرت، وفات" صرف مسلمانوں ہی کے لئے نہیں رہے، بلکہ پورے عالم کے لئے انقلابی رہے، جن وانس، بحر وبر، زمین وآسمان، چاند وسورج، شہاب وستارے، جبل وحجر، سب پر ان واقعات نے انمٹ نقوش چھوڑے، مگر افسوس کہ مسلمانوں کا ایک طبقہ صرف ولادت کو لے کر نصاریٰ کی طرح "عید میلاد النبی ﷺ" پر اکتفا کرتے ہوئے ہجرت ووفات کو پس پشت ڈال دیتا ہے، حالانکہ یہ دونوں واقعات وحادثات بھی ولادت سے کم اہمیت کے حامل نہیں۔

ولادت نبویؐ:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ایسے دور میں ہوئی جب ہر طرف گھٹا ٹوپ تاریکیاں چھائی ہوئی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت نے ان تاریکیوں کو چھانٹ کر رکھ دیا۔ دنیا میں مختصر عرصے میں ایسا سراپا خیر انقلاب برپا کردیا کہ تاریخ بشر میں کوئی اس کی نظیر پیش نہیں کرسکتا۔ جس وقت اور جس زمانے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی، کرۂ ارض کے مختلف خطوں میں انسان طرح طرح کے "عقائد باطلہ" کے دلدل میں پھنسا ہوا تھا، بعض تو پتھروں جیسی جامد اور حقیر مخلوق کو خدا بنائے بیٹھے تھے۔ بعض وہ تھے جو خود سے جنت کی خرید وفروخت کرکے اپنے آپ کو جنت کا ٹھیکیدار بنا بیٹھے تھے، بعض اجرام فلکی کے پرستار تھے، مگر جیسے ہی آپ کا ظہور قدسی ہوا یہ تمام اوہام باطلہ یکے بعد دیگرے اوندھے منھ زمین بوس ہونے لگے۔

اللہ رب العزت نے آپ کو ایسے معجزات اور کمالات سے نوازا کہ بڑے بڑے محققین ومدبرین بھی آپ کی عظمتوں کا اعتراف کرنے پر مجبور ہوگئے۔ مگر اس کا حق ادا نہ کرسکے۔ آپ ﷺ کو مکمل دین اور نبوت کا خاتم بنا کر مبعوث کیا گیا۔ آپ ﷺ کی رسالت، آپ کی دعوت، آپ کی نبوت، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دین، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت، آپ کی شخصیت سب عالمگیر ٹھہرے؛ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی کتاب دی گئی کہ ساڑھے چودہ سو سال سے اس پر ہر زمانے میں لاکھوں انسان خامہ فرسائی کرتے آرہے ہیں مگر پھر بھی اس سے نکلنے والے چشمے تھمنے کا نام نہیں لیتے۔ آپؐ ہی کی برکت سے دنیا کو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جیسی عظیم ہستیاں میسر ہوئیں، جنھوں نے ہر باب میں اعلیٰ ترین اسوہ چھوڑ کر دنیا کو جینے کا سلیقہ سکھایا۔

جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کو اہمیت حاصل ہے وہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کو بھی اہمیت حاصل ہے، کیونکہ ہجرت کے بعد دنیا دارالاسباب ہے۔ لہٰذا سبب کے درجے میں یہی کہا جائے گا کہ اسلام کو پھلنے اور پھولنے کا موقع ملا اور روئے زمین پر اسلامی ریاست اسی واقعہ ہجرت کے بعد وجود میں آئی، جس نے حکومت اسلامی کی تشکیل کی اور رہتی دنیا تک کے لئے یہ نمونہ پیش کرکے بتا دیا کہ اسلامی ریاست، اسلامی معاشرہ، اسلامی خلافت، اسلامی نظریہ سیاست اور اسلامی شوریٰ کسے کہتے ہیں؟ اور دنیا میں حکومت کس طرح کی جاتی ہے، اس نومولود ریاست اسلامیہ کو یہ شرف حاصل ہے کہ ایک طویل عرصے تک وہ پوری تندہی کے ساتھ، اسلام اور انسان کی خدمت میں لگی رہی، دنیا کو یہ سکھایا کہ عدل کیا ہوتا ہے؟ مساوات کیا چیز ہے؟ حقوق کیا ہوتے ہیں؟ اور ان کا توازن کس طرح برقرار رہتا ہے؟ علم کیا چیز ہے؟ ثقافت اور تہذیب کسے کہتے ہیں؟ مدنیت کا صحیح معیار کیا ہے؟ گویا واقعۂ ہجرت سے صرف اسلام اور مسلمانوں کے لئے نہیں، بلکہ پورے عالم اور ساری انسانی برادری نیز تمام دیگر مخلوقات کے لئے اہمیت کا حامل ہے۔ اسی لئے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ نے "اسلامی تاریخ کے آغاز کے لئے اسے معیار بنایا اور کہا کہ واقعۂ ہجرت ہی نے حقیقی معنی میں حق اور باطل کے درمیان خط فاصل کھینچا تھا، اسی کو تاریخ اسلامی کے لئے معیار قرار دیا جائے"۔

وفات نبویؐ:

حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے انتہائی محبت اور عشق تھا، لہٰذا یہ ایک امر فطری

> **حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے انتہائی محبت اور عشق تھا، لہٰذا یہ ایک امر فطری تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فراق اور جدائی ان کے لئے اتنی آسان نہیں تھی، اسی لئے خود اللہ رب العزت نے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی وفات سے قبل ہی ان کو تیار کرنا شروع کردیا تھا اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی ذہن سازی کا آغاز کردیا تھا۔ امام ابن ماجہ نے ایک روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے فرمایا: "اے لوگو! اگر تم میں سے کسی مسلمان پر کوئی مصیبت آئے تو وہ گھبرائے نہیں، کیونکہ میری موت سے بڑی مومن کے لئے کوئی مصیبت نہیں ہوسکتی، میری امت کے لئے سب سے بڑی مصیبت میری موت ہے"۔ (ابن ماجہ، حدیث نمبر ۱۵۹۹)**

تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فراق اور جدائی ان کے لئے اتنی آسان نہیں تھی، اسی لئے خود اللہ رب العزت نے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی وفات سے قبل ہی ان کو تیار کرنا شروع کردیا تھا اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی ذہن سازی کا آغاز کردیا تھا۔

امام ابن ماجہ نے ایک روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے فرمایا: "اے لوگو! اگر تم میں سے کسی مسلمان پر کوئی مصیبت آئے تو وہ گھبرائے نہیں، کیونکہ میری موت سے بڑی مومن کے لئے کوئی مصیبت نہیں ہوسکتی، میری امت کے لئے سب سے بڑی مصیبت میری موت ہے"۔ (ابن ماجہ، حدیث نمبر ۱۵۹۹)

خود قرآن کریم میں ایسی آیات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے پہلے نازل کی گئیں کہ جن سے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے دلوں کو مضبوط رکھا گیا۔ قرآن پاک میں فرمایا گیا: "آپ ﷺ کو بھی موت واقع ہوگی اور ان کو بھی"۔ (سورۂ زمر: ۳۰)

دوسری جگہ ارشاد ہے: "ہم نے آپؐ سے پہلے کسی بھی انسان کو خلود نہیں بخشا، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی موت سے دوچار ہوں گے تو کیا وہ لوگ (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کوئی) ہمیشہ رہ سکتے ہیں"۔ (سورہ انبیاء: ۳۴، ۳۵)

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سید الخلائق، آپؐ سید اولاد آدم، آپؐ امام المرسلین، آپؐ خاتم النبیین، آپؐ خاتم الشرائع، آپؐ امام الابرار، آپؐ، آپؐ صلی اللہ علیہ وسلم حبیب اللہ، اگر کسی کو اللہ خلود سے نوازنے کا فیصلہ کرتا تو اس کے لئے آپؐ ہی کی ذات موزوں تھی، مگر اللہ کا اصول اور قدرتی قانون ہے: "ہر نفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے"۔

اسی طرح سورۂ آل عمران اور سورہ فتح میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقوع کو بیان کیا۔ معلوم ہوا کہ آپؐ کی وفات بہت ہی عظیم واقعہ ہے، جس کے لئے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو تقریباً دس سال قبل ہی سے مسلسل تیار کیا جارہا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ تعالی عنہ کو، حضرت فاطمہؓ، حضرت جابرؓ وغیرہ صحابہ کرامؓ کو بھی اپنی موت کا اشارہ دے دیا تھا۔

مرض الوفات:

خیبر کے موقع پر ایک یہودی عورت نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے اصحاب کرامؓ کو بکری کا گوشت پیش کیا، جس میں زہر ملایا گیا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے فرمایا کہ یہ بکری کا گوشت مجھے اطلاع دے رہا ہے کہ اس میں زہر ہے۔ امام ابوداؤد (۴۵۱۲) کی روایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض الوفات میں کہا تھا کہ آج بھی خیبر والا زہر مجھے محسوس ہورہا ہے، بلکہ اب تو شدت اختیار کرگیا ہے۔ امام احمد (۲۳۴۱۵) کی روایت کے مطابق ام مبشر نے بھی مرض الوفات میں تکلیف دیکھ کر دریافت کیا تھا کہ میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہوں، آخر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیوں اتنی تکلیف محسوس کررہے ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں عرض کیا، بس وہی خیبر والا کھانا، اس کے کھانے سے حضرت ام مبشر کے صاحبزادے پہلے ہی وفات پاچکے تھے۔

اسی لئے علماء فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو شہادت میسر ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیماری کی وجہ سے رفع درجات سے نوازا گیا۔

مرض الوفات کا آغاز:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا فرماتی ہیں کہ ایک صحابی کا انتقال ہوگیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تدفین کی اور حج میں تشریف لائے، میرے سر میں تکلیف تھی، میں تکلیف کی وجہ سے کراہتے ہوئے کہہ رہی تھی "وارساہ" ہائے میرا درد سر، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا، تیرا نہیں میرا سر درد کررہا ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اگر تیرا انتقال مجھ سے پہلے ہوجائے تو تجھے کوئی پریشانی نہیں، کیونکہ میں تجھے غسل بھی دوں گا، کفن بھی پہناؤں گا، پھر تیری نماز جنازہ بھی پڑھاؤں گا اور اپنے ہاتھ سے تجھے سپرد خاک کروں گا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے مزاحاً کہا کہ تب تو آپؐ ان سب امور سے فارغ ہوکر اپنے گھر آکر دوسری شادی کرلیں گے، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا دیئے اور اس کے فوراً بعد ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوگئے۔ (احمد ۲۵۳۸، وابن ماجہ ۱۴۶۵)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا فرماتی ہیں کہ ابتداء ربیع الاول ہی سے مرض کا آغاز ہوگیا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری نے شدت اختیار کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام ازواج مطہرات سے اجازت لے کر میرے حجرے میں قیام کی اجازت طلب کی اور سب نے اجازت دے بھی دی۔ جب اجازت مل گئی تو دو آدمیوں کے کاندھوں پر ہاتھ رکھ کر میرے حجرے کی طرف آئے جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدمہائے مبارکہ زمین پر گھسٹ رہے تھے۔ (بخاری: ۱۹۸، مسلم ۴۱۸)

نبی کریمؐ کیلئے موت اور خلد کا اختیار:

ابومویہبۃ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام تھے، فرماتے ہیں ایک رات نصف شب کے قریب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلا بھیجا اور کہا مجھے بقیع جانے اور اہل بقیع کے لئے دعا کا حکم ملا ہے، لہٰذا تم بھی ساتھ چلو، بقیع پہنچ کر ان کے لئے دعائیں کیں اور ارشاد فرمایا: اے ابومویہبۃ مجھے خلد اور لقائے رب کے درمیان اختیار دیا گیا ہے، تو میں فوراً بول اٹھا تب تو اے اللہ کے رسولؐ! آپ اولاً خلد یعنی دنیا میں ہیشگی کو اختیار کرلیں، بعد میں لقائے رب کا ہونا تو ہے ہی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قسم بخدا میں نے لقائے رب (یعنی موت) کو اختیار کرلیا۔

(مسند احمد: ۱۵۵۶۷، الدارمی: ۷۸)

بخاری اور مسلم کی روایت میں بھی ہے کہ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے برسر عام اختیار بین الموت، الخلد کو بیان کیا، تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ رو پڑے، کیونکہ وہ قرب موت کو بھانپ گئے۔ (البخاری: ۳۶۵۴، مسلم: ۲۳۸۲)

نبی کریمؐ کی زندگی کے آخری لمحات:

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق کے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تیرہ ایام بیمار رہے اور سلیمان تیمی وغیرہ کی تحقیق کے مطابق دس ایام بیمار رہے۔ (فتح الباری: ۷/ ۷۳۶)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ وفات سے قبل تین دن شدت مرض کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم امامت صلوٰۃ کے لئے نہ آسکے، یہاں تک کہ تیسرے دن جب نماز شروع ہوگئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجرہ عائشہؓ سے پردہ اٹھایا، حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ انور نمودار ہوا تو ایک عجیب سا منظر رونما ہوگیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ نے پیچھے ہٹنا چاہا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارے سے امامت کا حکم فرمایا اور پھر آپ ﷺ نے پردہ گرا دیا، بس یہ ہمارا آخری دیدار تھا، اس کے بعد ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پرنور چہرۂ مبارک کو نہ دیکھ سکے"۔ (بخاری: ۶۸۱، مسلم: ۴۱۹)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر آخری وقت میں غشی طاری ہورہی تھی، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کچھ ہوش میں آتے تو معوذتین پڑھ کر بدن پر پھونکتے اور ہاتھ سے بدن پر دم کرکے پھیرتے، پھر جب مرض انتہائی شدت اختیار کرگیا تو میں خود معوذتین پڑھ کر دم کرتی۔ (البخاری: ۴۴۳۹، مسلم: ۲۱۹۲)

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا ارشاد فرماتی ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات حسرت آیات کا وقت قریب آیا، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر مبارک میری ران پر تھا، آپ پر غشی طاری ہوئی، جب بیہوشی دور ہوئی تو آنکھیں کھولیں اور آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگے: "اللھم الی الرفیق الاعلی"۔ بس میں سمجھ گئی اب یہ آخری گھڑی ہے اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مقدس قفس عنصری سے پرواز کرگئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ (بخاری: ۴۴۳۷)

وفات کے وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک برتن میں پانی رکھا ہوا تھا، آپ اس میں ہاتھ ڈبوتے اور چہرے انور پر ملتے، اور یہ دعا پڑھتے: "اللھم اعنی علی سکرات الموت"۔ (احمد: ۲۳۸۳۵، ترمذی: ۹۷۸، ابن ماجہ: ۱۶۲۳) امام ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ زوال شمس کے بعد انتقال ہوا اور امام نوویؒ وغیرہ فرماتے ہیں کہ زوال سے پہلے۔ (البدایہ: ۵/ ۲۲۳، تہذیب: ۲۳) انتقال کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک یا تو ۶۳ سال یا ۶۵ سال یا ساٹھ سال تھی۔

> **امام بن رجبؒ تحریر فرماتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی تو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین پر گویا مصیبت کا پہاڑ ٹوٹ پڑا، بعض صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا حال تو یہ ہوا کہ جیسے ہی وفات رسول ﷺ کی خبر کان میں پڑی، بدحواس ہوگئے، جو کھڑے تھے، کھڑے ہی رہ گئے، جو بیٹھے تھے، وہ بیٹھے ہی رہ گئے، جو خاموش تھے، ان کی زبان بند ہوکر رہ گئی، اور بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی موت پر یقین ہی نہیں آیا۔**

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا غم:

امام بن رجبؒ تحریر فرماتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی تو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین پر گویا مصیبت کا پہاڑ ٹوٹ پڑا، بعض صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا حال تو یہ ہوا کہ جیسے ہی وفات رسول ﷺ کی خبر کان میں پڑی، بدحواس ہوگئے، جو کھڑے تھے، کھڑے ہی رہ گئے، جو بیٹھے تھے، وہ بیٹھے ہی رہ گئے، جو خاموش تھے، ان کی زبان بند ہوکر رہ گئی، اور بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی موت پر یقین ہی نہیں آیا۔ (لطائف المعارف: ۱۱۴)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ موجود نہیں تھے۔ جب آپؓ تشریف لائے تو حجرہ شریفہ میں داخل ہوئے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور سے چادر سرکائی، پیشانی پر بوسہ دیا اور کہا میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان، آپ ﷺ کی زندگی بھی قابل رشک اور موت بھی قابل رشک (اللہ اکبر)، اس کے بعد لوگوں کو تسلی دی، قرآن کی چند آیات تلاوت کیں اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم کو آپ ﷺ کی موت کی یقین دہانی کرائی، پوری مسجد نبوی آہ وفغاں اور رونے کی آواز سے لرزاٹھی۔ (بخاری: ۳۶۶۷)

حضرت فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالی عنہا کہنے لگیں: "ہائے ابا آپؐ وہ تھے جو اپنے رب کے قریب ہوئے، ہائے ابا! ہم جبریلؑ تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعزیت کا پیغام پہنچاتے ہیں، ہائے ابا! جنت الفردوس آپ ﷺ کا ٹھکانا ہے"۔

حضرت انس ابن مالک خادم خاص رضی اللہ تعالی عنہ یہ جملہ بولتے جاتے اور روتے جاتے"۔ کوئی دن ایسا نہیں گزرا کہ میں اپنے خلیل ﷺ کی زیارت سے محروم رہا اور پھر خوب روئے"۔ (احمد: ۱۲۸۵۵)

حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ ہی کی روایت ہے کہ اہل مدینہ کے لئے سب سے زیادہ منور اور بابرکت دن وہ تھا، جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ مدینہ میں داخل ہوئے اور سب سے المناک دن وہ تھا، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات حسرت آیات ہوئی۔ (احمد: ۱۱۸۲۵)

حضرت ابوذویب ہذلیؓ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں مدینہ میں داخل ہوا تو پورا مدینہ آہ وبکا سے لرز رہا تھا اور ایسا لگ رہا تھا جیسے حج کے موقع پر لوگ ایک ساتھ لبیک کی آواز لگا رہے ہوں، ہر شخص زار وقطار رو رہا تھا۔ میں نے دریافت کیا، یہ کیا ماجرا ہے؟ تو لوگوں نے روتی ہوئی آواز سے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وفات پاگئے۔ (فتح الباری: ۸/ ۵۸۰)

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالی عنہ پر آپ کی وفات کا غم ایسا سوار تھا کہ آپ بیٹھے ہوئے تھے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ نے سلام کیا تو محسوس ہی نہ ہوا اور جواب نہ دے سکے۔ (الطبقات الکبریٰ: ۲/ ۸۴)

حضرت ام ایمن زار وقطار رونے لگیں اور کہنے لگیں: "ہائے افسوس اب رب ذوالجلال کی جانب سے آنے والی وحی منقطع ہوگئی"۔ (احمد: ۱۲۱۷۹)

حضرت حسان نے مرثیہ خوانی کرتے ہوئے بڑے غم انگیز اشعار کہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر ان کو بہت غم ہوا تھا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت حسان جب تک زندہ رہے، برابر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد آپؓ کو ستاتی رہی اور آپ رضی اللہ تعالی عنہ اشعار کہتے رہے۔

نبی کریم ﷺ کو غسل اور تدفین:

☆آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آپ ﷺ کے کپڑوں ہی میں غسل دیا گیا۔ (ابوداؤد: ۳۱۴۱)

☆آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نماز جنازہ فرداً فرداً پڑھی گئی، یعنی ایک ایک کرکے، نہ کہ جماعت کے ساتھ۔ (مصنف ابن شیبہ: ۷/ ۴۳۰)

☆آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر بغلی کھودی گئی۔ (ابن ماجہ: ۱۵۵۷)

☆آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سن ہجری گیارہ ربیع الاول کے مہینے میں دوشنبہ کو ہوئی اور تدفین چہار شنبہ کو عمل میں آئی۔ (البدایہ: ۵/ ۲۳۷)

☆آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک میں حضرت علی، فضل ابن عباس، قثم ابن عباس اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام شقران اترے تھے۔ (سیرت ابن ہشام: ۴/ ۳۱۸)

نبی کریم ﷺ کی آخری وصیتیں:

اپنے مرض الوفات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا: "اللہ تبارک وتعالیٰ یہود ونصاریٰ پر لعنت فرمائے کہ انھوں نے اپنے انبیائے کرام علیہم السلام کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا"۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا فرماتی ہیں کہ اگر آپ کا یہ ارشاد نہ ہوتا تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم اجمعین بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کو عمدہ اور بلند وبالا بناتے، مگر اس ارشاد کی وجہ سے ایسا نہیں کیا۔ (البخاری: ۱۱۳، مسلم: ۵۳۱)

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ آخری ایام میں آپؐ نے یہ وصیت بھی کی: "غیر مسلموں کو جزیرۃ العرب سے نکال دو"۔ (البخاری: ۵۰۵۳، مسلم ۱۶۳۷)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالی عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخری ایام میں بار بار فرمایا کرتے تھے: "نماز کا مکمل اہتمام کرنا اور اپنے ماتحتوں پر ظلم مت کرنا"۔ حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں کہ جب تک زبان میں طاقت رہی، ان کلمات کو دہراتے رہے۔ (ابن ماجہ: ۱۶۲۵)

حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ بھی اس کی تائید کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ غرغرہ موت کے وقت بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر یہ کلمات جاری تھے۔ (ابن ماجہ: ۲۶۹۷)۔ یہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری وصیتیں۔ اب ہم ذرا غور کریں کہ جس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور عشق کے ہم دعویدار ہیں، کیا ہم نے بھی ان وصیتوں پر عمل کیا، آج امت کا بڑا طبقہ نماز سے دور ہے اور مالک اپنے ماتحتوں پر ظلم پر ظلم کئے جارہے ہیں، پھر کیسے نصرت خداوندی کی امید کی جاسکتی ہے؟

اے لوگو! ذرا ہوش کے ناخن لو اور اپنی موت کی تیاری کی فکر کرو، یہ دنیا یہیں رہ جائے گی، کچھ ساتھ نہیں جائے گا۔ سوائے عمل صالح اور ایمان کے، لہٰذا اعمال کی طرف سبقت کرو۔ ●●

اب مسلم لڑکیوں کا برقع شرپسندوں کے نشانے پر

مولانا اسرار الحق قاسمی

حال ہی میں ایک تشویشناک خبر منظر عام پر آئی ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ کرناٹک کی حکمراں جماعت بی جے پی کے طالب علم ونگ یعنی اکھل بھارتیہ ودیارتھی پریشد نے کرناٹک کے ایک گورنمنٹ کمپوزٹ پری یونیورسٹی کالج میں برقع اوڑھ کر آنے والی لڑکیوں کو کالج میں داخل ہونے کی اجازت دینے سے انکار کردیا ہے، ہندوتوادی تنظیم کے دباؤ میں آکر پہلے تو کالج کے ذمہ داروں نے برقع پہن کر آنے پر پابندی عائد کی لیکن بعد میں انتہا پسندوں کے دباؤ میں آکر پورے کیمپس میں پردے والی لڑکیوں کے داخلہ پر پابندی عائد کردی۔ رپورٹوں کے مطابق جس طرح مسلم لڑکیوں کے پردہ کو نشانہ بنایا گیا اس سے اس نتیجہ پر پہنچنا کچھ مشکل نہیں کہ سخت گیر ہندو جماعتوں کی جانب سے یہ سب کچھ منظم انداز میں انجام دیا گیا اور اگر حکومت نے بروقت شرپسندوں کے خلاف کوئی قدم نہ اٹھایا تو کچھ بعید نہیں کہ حجاب کے خلاف یہ سلسلہ دراز ہوجائے اور خطرناک شکل اختیار کرجائے۔ پھر نہ صرف کالجوں واسکولوں میں برقع کو نشانا بنایا جانے لگے بلکہ گلی کوچوں، راستوں اور عام جگہوں پر بھی جبراً مسلم لڑکیوں کو بے حجاب کیا جانے لگے۔ جیسا کہ بعض مقامات پر مسلم لڑکیوں کی جانب سے یہ شکایت سامنے آئی ہے کہ انھیں راستوں میں برقع کے مخالفین پریشان کرتے ہیں۔

سخت گیر ہندو جماعتوں کی مسلم دشمنی یوں تو اظہر من الشمس ہے اور نصف صدی سے زائد عرصہ پر محیط ہے مگر اب وہ مسلمانوں کے جان ومال کو نقصان پہنچانے کے ساتھ جس بڑے پیمانہ پر ان کی آبرو، ان کے مذہبی جذبات اور ان کے سماجی وقار کے ساتھ کھلواڑ کرنے کی جو کوششیں کرتے دکھائی دے رہے ہیں اس سے ملک کے مسلمانوں میں عدم تحفظ کا احساس بڑھتا جارہا ہے۔ اقلیتوں بالخصوص مسلمانوں کے درمیان عدم تحفظ کے احساس پیدا ہونے کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ملک کی صوبائی ومرکزی حکومتیں شرپسندوں کے خلاف سخت کارروائی نہیں کرپاتیں جس کی وجہ سے شرپسندوں کو قرار واقعی سزا نہیں ملتی اور ان کے حوصلے دن بدن بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ جن صوبوں میں بی جے پی کی حکومتیں ہیں وہاں سخت گیر عناصر اور زیادہ جارحانہ شکل میں نظر آرہے ہیں اور اقلیتوں پر بڑھ چڑھ کر حملے کرتے دکھائی دے رہے ہیں۔ کرناٹک جہاں بی جے پی کی حکومت ہے وہاں سخت گیر عناصر گویا علی الاعلان دھاندلی اور اقلیتوں پر زیادتی کررہے ہیں۔ قارئین کو یاد ہوگا کہ سخت گیر عناصر نے چندماہ قبل مذکورہ ریاست میں عیسائیوں پر شدید حملے کیے تھے۔ جس کی وجہ سے پورے کرناٹک میں عیسائی خوف زدہ تھے اور اپنے آپ کو غیر محفوظ خیال کررہے تھے۔

چونکہ سخت گیر جماعتوں کے افراد بی جے پی حکومت کو اپنی حکومت سمجھتے ہیں اور کسی بھی طرح کا جرم کرنے میں اپنے آپ کو آزاد تصور کرتے ہیں اس لیے اقلیتوں کے خلاف ان کے جارحانہ حملوں کا آئے دن دائرہ وسیع ہوتا جارہا ہے۔

صوبہ گجرات میں بی جے پی حکومت پرانی ہوچکی ہے، اس لیے وہاں سخت گیر عناصر اقلیتوں کے خلاف مزید جارحیت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ گزشتہ چند برسوں کے دوران مودی حکومت نے جس بڑے پیمانہ پر شرپسندوں کی حمایت کی اس کی مثال نہیں ملتی۔ بی جے پی کے عہد حکومت میں گجرات کے مسلمانوں کا جینا دوبھر ہوگیا ہے۔ گودھرا سانحہ کے بعد جو دراصل ایک بڑی سازش تھی، وہاں مسلمانوں کی زندگی خوف وہراس میں بسر ہورہی ہے۔ جن افراد کا کاروبار اجڑ گیا تھا وہ آج تک اپنے پاؤں نہیں جما سکے ہیں۔ جن کے بچے اور بڑے لاپتہ ہوگئے تھے ان کا آج تک کوئی اتہ پتہ نہیں ہے۔ جن کا قتل ہوگیا تھا، ان کو مناسب اور جائز معاوضہ نہیں ملا ہے۔ معاوضہ تو چھوڑیے جن لوگوں نے اپنے برباد مکانوں میں خود جاکر آباد ہونے کی جرأت کی تھی ان کو گھروں میں تو کیا، گاؤں کی سرحدوں میں بھی گھسنے نہیں دیا گیا۔ اس اثناء میں بہت

باقی صفحہ ۸ پر

دعوت

۱۳ مارچ ۲۰۰۹ء

امریکی صدر کے بیان پر ردعمل

امریکی صدر بارک حسین اوباما نے امریکی اخبار نیویارک ٹائمز کو دیئے جانے والے انٹرویو میں اس کا اعتراف کیا ہے کہ امریکہ افغانستان میں جنگ نہیں جیت رہا ہے۔ ساتھ ہی انھوں نے یہ بھی کہا ہے کہ اعتدال پسند طالبان کے ساتھ بات چیت ہوسکتی ہے، جس طرح عراق میں سنی آبادی کے ساتھ بات چیت کا راستہ اختیار کیا گیا تھا، اس کا مطلب یہ ہے کہ امریکہ نے افغان مسئلہ کو سفارتی سطح پر حل کرنے کا راستہ کھول دیا ہے۔ اب وہ محض طاقت کے ذریعے سے حل کرنے کا قائل نہیں رہ گیا ہے اور اس کی نگاہ میں اس کا واحد حل طاقت نہیں ہے بلکہ اسے مذاکرات کے ذریعے بھی حل کیا جاسکتا ہے۔ البتہ انھوں نے یہ نہیں بتایا ہے کہ موڈریٹ سے ان کی مراد کیا ہے۔ لیکن بعض دوسرے ذرائع سے اس کی وضاحت یہ کی گئی ہے کہ طالبان کے جن گروپس یا افراد کا القاعدہ سے تعلق نہیں ہے وہ عناصر اس سے مراد ہیں، اس سے وہ بھی مراد ہیں جو کسی وجہ سے امریکہ اور موجودہ افغان حکومت سے ناراض ہیں۔ امریکہ سے انہیں شکایتیں ہیں خواہ امریکہ کی زیادتیوں یا امریکی اور اتحادی افواج کی بدسلوکیوں کی وجہ سے یا افغان حکومت کی زیادتیوں اور بدسلوکیوں کے سبب جس کے نتیجے میں انھوں نے ہتھیار اٹھالئے ہیں۔ ایسے عناصر کو موڈریٹ طالبان سے تعبیر کیا جارہا ہے جبکہ دوسری طرف طالبان کا کہنا ہے کہ ان میں ایسی کوئی تقسیم نہیں پائی جاتی، طالبان تو بس طالبان ہیں۔ موڈریٹ اور غیر موڈریٹ کی ان کے ساتھ کوئی تخصیص نہیں ہے۔ افغان صدر حامد کرزئی نے اس امریکی پیشکش کا خیر مقدم کرتے ہوئے کہا ہے کہ وہ اس کی وکالت ایک عرصے سے کرتے چلے آرہے ہیں، بلکہ انھوں نے طالبان کو مذاکرات کی دعوت بھی دی تھی اور یہ اطلاعات بھی آئی تھیں کہ سعودی عرب کی ایما پر مذاکرات کا سلسلہ شروع بھی ہوا تھا۔ اس میں صرف طالبان ہی کو نہیں بلکہ دوسرے افغان گروپوں کو بھی دعوت دی گئی تھی اور یہ بھی بتایا گیا تھا کہ طالبان کے نمائندوں کے علاوہ دوسرے افغان گروپوں نے بھی اس میں حصہ لیا تھا، لیکن بعد میں طالبان کی جانب سے اس کی تردید کردی گئی اور پھر اس کا سلسلہ آگے نہیں بڑھ سکا۔

یاد رہے کہ امریکی صدر نے یہ اعلان کیا تھا کہ ان کی خارجہ پالیسی میں افغانستان کو کلیدی اہمیت حاصل ہوگی اور اس پر وہ زیادہ توجہ دیں گے۔ عہدہ سنبھالتے ہی انھوں نے نہ صرف افغانستان کے لئے اپنا ایک خصوصی ایلچی مقرر کیا بلکہ اسے دورے پر افغانستان بھی بھیجا، جس نے افغانستان کے علاوہ پاکستان اور ہندوستان کا بھی دورہ کیا تھا۔ امریکی صدر نے یہ بھی کہا تھا کہ وہ افغانستان میں مزید فوجیں بھیجیں گے، لیکن افغانستان میں موجود ناٹو کی افواج کے لئے مسائل پیدا ہونے لگے یہاں تک کہ اس تک سامان جنگ اور دوسرے ضروری سازوسامان کی ترسیل میں خلل واقع ہونے لگا۔ ادھر اس کے اشارے بھی مل رہے ہیں کہ افغانستان اور عراق کے مسائل کو حل کرنے میں ایران کی مدد بھی حاصل کی جائے گی بلکہ امریکی وزیر خارجہ ہلیری کلنٹن نے ایران کو مذاکرات کے عمل میں شرکت کی دعوت بھی دے دی ہے۔ دوسری جانب ترکی کی خدمات بھی حاصل کی جارہی ہیں۔ گوکہ ترکی مشرق وسطیٰ میں قیام امن کی کوششوں میں پہلے سے مصروف عمل ہے۔ لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اب اس کی اہمیت دوچند ہوگئی ہے اور اس کے کردار کو کافی اہمیت دی جارہی ہے۔ روس کو بھی اس عمل میں شامل کرنے کی کوشش ہورہی ہے۔ اس نے بعض حلقوں میں تشویش کی لہر دوڑا دی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اسرائیل کو اس پر سب سے زیادہ تشویش ہے۔ اس کا خیال ہے کہ امریکہ نے ایران کو جو طرح دی ہے وہ غیر ضروری ہی نہیں خطرناک بھی ہے۔ اس نے مراعات کا جو سلسلہ شروع کیا ہے وہ عالمی امن کے لئے ایک بڑا خطرہ ہے کیونکہ ایران کے بارے میں خود امریکی اہلکار یہ کہہ چکے ہیں کہ وہ جوہری اسلحہ کی تیاری میں مصروف ہے۔ تمام تر عالمی دباؤ کے باوجود اس نے اپنا جوہری پروگرام ملتوی کرنے اور اس سے باز آجانے سے صاف انکار کردیا ہے۔ امریکی اہلکار یہ بھی کہتے ہیں کہ ایران نے اتنا یورینیم جمع کرلیا ہے جس سے وہ آسانی سے جوہری بم بناسکتا ہے۔ اگرچہ اس میں وقت لگے گا لیکن اس نے مطلوبہ اشیاء جمع کرلی ہیں۔ ایسی صورت میں ایران پر دباؤ بنائے رکھنے اور اسے دنیا سے الگ تھلگ کرنے کی بجائے اس کو اہمیت دینے اور گنجائشیں نکالنے سے حالات مزید بگڑ سکتے ہیں۔ مگر بتایا جاتا ہے کہ برطانوی حکومت نے بھی اس خیال کی تائید کی ہے۔

ملک کی تمام سیاسی جماعتیں رائے دہندگان کو اپنا ہمنوا بنانے میں مصروف ہیں

نئی سیاسی صف بندی کا مقصد ملک اور باشندگان ملک کی حقیقی فلاح اور بہبود ہونا چاہئے نہ کہ حقیر سیاسی مفادات کی تکمیل

عام انتخابات کی تاریخوں کا اعلان ہوتے ہی نئی سیاسی صف بندی کی کوششیں تیز تر ہوتی جارہی ہیں اور تمام پارٹیاں اپنے اپنے مفادات کو ترجیح دے کر دیگر پارٹیوں کے مقابلے زیادہ سے زیادہ سیٹیں حاصل کرنے ورنہ دوسرا حلیف تلاش کرنے کی تگ و دو میں مصروف ہیں۔ یو پی اے، این ڈی اے کے علاوہ بائیں بازو کی جماعتیں ایک بار پھر غیر کانگریسی غیر بی جے پی تیسرا محاذ قائم کرنے میں لگی ہوئی ہیں۔ اس میں گزشتہ دنوں انہیں ناکامی کا اس وقت سامنا کرنا پڑا تھا جب اتر پردیش کی وزیر اعلیٰ اور بہوجن سماج پارٹی کی لیڈر مایاوتی سے بات نہیں بنی تھی۔ بائیں بازو کی طرف سے مایاوتی کو اپنے ساتھ ملانے کے لئے مستقبل کے وزیر اعظم کا خواب دکھایا گیا تھا۔ مایاوتی زیادہ دور تک تو ان کا ساتھ نہ دے سکیں ہاں اس خواب کا یہ اثر ضرور ہوا کہ وہ خود کو مستقبل کا وزیر اعظم سمجھ بیٹھیں۔ اس وقت بائیں بازو اور بی ایس پی کے مابین اتحاد کے بجائے باہمی ربط کی بات کی جارہی ہے۔

بائیں بازو کو اڑیسہ میں بیجو جنتا دل کی صورت میں ایک بڑی کامیابی ملی ہے۔ بیجو جنتا دل نے این ڈی اے سے اپنا رشتہ ختم کرلیا ہے۔ گیارہ سال پہلے قائم ہونے والا یہ اتحاد اچانک ختم نہیں ہوا۔ اس کے پس پشت بہت سے اسباب کارفرما ہیں جن میں کندھمال میں عیسائیوں کے خلاف فسادات، سنگھ پریوار کی اڑیسہ میں فتنہ سامانی، ریاست میں بی جے پی پر بیجو جنتا دل کی سبقت خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ بس ایک موقع کی تلاش تھی اور یہ موقع بائیں بازو سے رابطے نے فراہم کردیا۔ مارکسوادی کمیونسٹ پارٹی کے لیڈر پرکاش کرات نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ وہ گزشتہ ایک ماہ سے بیجو جنتا دل سے رابطے میں تھے۔ انھوں نے کہا کہ بیجو جنتا دل ایک سیکولر پارٹی ہے۔ انھوں نے یہ بھی امید ظاہر کی کہ آئندہ چند دنوں میں کچھ مزید پارٹیاں کانگریس اور بی جے پی سے الگ ہوکر ان کے ساتھ اتحاد میں شامل ہوسکتی ہیں۔

این ڈی اے کے اندر بھی سرکشی جاری ہے۔ اسے کسی نئی پارٹی کا ساتھ تو نہیں مل رہا ہے البتہ اس کے اتحاد میں دراڑ ضرور پڑ گئی ہے۔ بیجو جنتا دل کے الگ ہونے کے علاوہ این ڈی اے کی اہم حلیف شیوسینا سے بی جے پی کا رشتہ کشیدہ ہوگیا ہے۔ بی جے پی نے شیوسینا سے سیٹوں کے تعلق سے گفتگو فی الحال موقوف کردیا ہے۔ بی جے پی کا کہنا ہے کہ پہلے وہ مراٹھا کے مسئلے پر اپنے موقف کو واضح کرے کہ وہ وزیر اعظم کے نام پر لال کرشن آڈوانی کے ساتھ ہے یا اس مسئلے پر شرد پوار کا ساتھ دینا چاہتی ہے۔ بہار اور جھارکھنڈ میں سیٹوں کی تقسیم کے مسئلے پر جنتا دل (یو) کے ساتھ بھی اب تک بات چیت بے نتیجہ رہی ہے۔

کانگریس کا حال بھی تقریباً دیگر پارٹیوں کے جیسا ہی ہے۔ یو پی اے میں شامل پارٹیوں کے ساتھ سیٹوں کی تقسیم کے مسئلے پر تلخیاں برقرار ہیں۔ لالو پرساد یادو اور رام ولاس پاسوان کے مابین اور پھر ان دونوں کی کانگریس کے ساتھ سیٹوں کی مفاہمت ابھی مکمل نہیں ہوسکی ہے۔ کانگریس کا سماجوادی پارٹی کے ساتھ ہاں نہیں کا کھیل ابھی بھی جاری ہے۔ اے آئی اے ڈی ایم کے کی لیڈر اور تمل ناڈو کی سابق وزیر اعلیٰ جے للتا کے ساتھ مفاہمت کا مسئلہ بھی بیچ میں لٹکا ہوا ہے۔ وہ اس لئے کہ جے للتا بائیں بازو کے بھی رابطے میں ہیں۔ جنتا دل ایس کے لیڈر اور سابق وزیر اعظم ایچ ڈی دیوے گوڑا بنگلور میں ایک ریلی کر رہے ہیں جس میں پرکاش کرات، اے بی بردھن، چندرا بابو نائیڈو، ڈی چندر شیکھر راؤ اور جے للتا کے نمائندے بھی شرکت کریں گے۔

اگر ان ساری سیاسی تگ و دو کا ماحصل دیکھا جائے تو پارٹیوں کے ذاتی مفادات کے علاوہ کچھ اور نہیں ہے۔ کسی پارٹی سے قربت یا علیٰحدگی میں ملک و باشندگان ملک کی فلاح و بہبود، ملک کی پالیسی کا پاس و لحاظ کسی بھی پارٹی کو نہیں ہے اور اگر کہیں کوئی ایک آدھ بیان اس سلسلے میں آ بھی جاتا ہے تو اس کی حقیقت صرف بیان بازی اور عوام کو گمراہ کرنے سے علاوہ کچھ بھی نہیں۔ یہ صورتحال ملک و عوام کے مستقبل اور جمہوری اقدار کے منافی ہے جس سے چشم پوشی نقصاندہ ثابت ہوگی۔ ●●

اس صورت حال کے لئے کون ذمہ دار ہے؟

یہ حقیقت ہے کہ فرقہ وارانہ فسادات کے دوران خواہ وہ ملک کے کسی بھی خطے میں وقوع پذیر ہوں مسلم خواتین فرقہ پرستوں کا خاص نشانہ ہوتی ہیں۔ فسادات کے دوران خواتین کے ساتھ مظالم کی ایک طویل فہرست ہے جن کی طرف حکومت و انتظامیہ کی توجہ کم ہی ہوتی ہے اور اس کے لئے ذمہ دار عناصر کسی بھی طرح کی تادیبی کارروائی سے آزاد رہتے ہیں۔ اگر کسی ایک جگہ کے فساد کے موقع پر اس طرح کے واقعات رونما ہوں تو انہیں حادثہ سے تعبیر کیا جاسکتا ہے لیکن بالعموم ہر بار ایسا ہی ہوتا ہے جس سے کسی گہری سازش کا پتہ چلتا ہے۔ اس وقت ایک خبر یہ بھی گشت کررہی ہے کہ آر ایس ایس کی طرف سے اسمارٹ فرینڈس (ایس ایف) کے نام سے ایک تنظیم تشکیل دی گئی ہے جو نوجوانوں خاص طور پر اسکول اور کالج کے غیر مسلم طلباء پر مشتمل ہے۔ غیر مسلم طلباء کو اس بات کے لئے آمادہ کیا جاتا ہے کہ وہ مسلم طالبات سے دوستی کریں۔ انہیں محبت کا فریب دے کر ان سے شادی کریں۔ اس سلسلے میں انہیں لالچ بھی دیا جاتا ہے۔

اگر اس خبر کو لائق اعتناء نہ سمجھا جائے تو بھی شاید ہی اس سے کسی کو انکار ہو کہ حال میں مسلم لڑکیوں کی غیر مسلم لڑکوں کے ساتھ شادیوں کے واقعات میں اضافہ ہوا ہے۔ شادی کے لئے مسلم لڑکیوں کے ذریعے مذہب تبدیل کرنے کے واقعات بھی منظر عام پر آتے رہتے ہیں۔ روزنامہ سیاست حیدرآباد کے مطابق رائٹ ٹو انفارمیشن ایکٹ (RTI) 2005 کے تحت کمشنر اینڈ انسپکٹر جنرل آف رجسٹریشن اینڈ اسٹامپس سے حاصل شدہ تفصیلات کے مطالعے سے معلوم ہوا ہے کہ نہ صرف حیدرآباد بلکہ آندھرا پردیش کے تقریباً تمام اضلاع میں رجسٹرار کے یہاں باضابطہ طور پر وہ ریکارڈ موجود ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ مسلم لڑکیاں غیر مسلم نوجوانوں سے رجسٹرار آفس میں شادیاں کررہی ہیں۔ اس طرح کے واقعات صرف ریاست آندھرا پردیش کے ساتھ خاص نہیں ہیں بلکہ پورے ملک کے طول و عرض میں یہی صورتحال ہے۔ اخبارات میں تبدیلیٔ نام کے کالم میں اس طرح کی چیزیں دیکھی جاسکتی ہیں۔

غیر مسلم لڑکوں سے شادیوں کے معاملات مسلمانوں کے اعلیٰ جدید تعلیم یافتہ طبقہ اور پسماندہ ترین طبقے میں زیادہ تر دیکھنے میں آتے ہیں، متوسط طبقے میں یہ تناسب قدرے کم ہے۔ اس کی اہم وجہ اعلیٰ جدید تعلیم یافتہ طبقے میں جاہ و اقتدار کا حصول، دنیا طلبی، آزاد خیالی، مذہب بیزاری اور فرضی اسٹیٹس ہے تو پسماندہ ترین طبقے میں جہالت، دین سے دوری اور معاشرتی نظام کا بکھراؤ ہے۔ مسلمانوں کی اکثریت اس طرح کی شادیوں کو گرچہ ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتی ہے لیکن بہرحال ایک طبقہ ایسا بھی ہے جو ''کراس میرج'' پر فخر کرتا ہے اور اسے اتحاد باہمی کا نام دیتا ہے۔

اس طرح کے واقعات کے پس پردہ خواہ کوئی منصوبہ بندی کام کررہی ہو یا نہیں اس کی اصل ذمہ داری راست طور پر مسلمانانِ ہند پر ہی عائد ہوتی ہے۔ وہ اس لئے بھی کہ لڑکیوں کو عصری تعلیم دلانے کی طرف تو پوری توجہ دی جاتی ہے لیکن دینی تعلیم سے بھی وہ آراستہ ہوں اس کی فکر کتنے لوگ کرتے ہیں۔ پھر گھر اور معاشرے کا جو ماحول ہے اور الیکٹرانک میڈیا کے ذریعے خاص طور پر جس طرح سے غیر اسلامی اور انسانیت سوز کلچر پیش کیا جارہا ہے اس کے اثرات تو پڑنے ہی ہیں۔ مخلوط تعلیم اور آزادانہ اختلاط کا بھی اپنا ایک اثر ہے۔ ان سب سے نئی مسلم نسل کو بچانے اور تعلیم و تربیت کا بہتر متبادل پیش کرنے کی جو ذمہ داری ملت پر عائد ہوتی ہے اس کی طرف خاطر خواہ توجہ نہیں دی جاسکی ہے۔ پھر مسلم لڑکیوں میں اعلیٰ تعلیم کے حصول کا تناسب مسلم لڑکوں سے کہیں زیادہ ہے۔ شادی بیاہ کی غیر اسلامی رسوم اور جہیز نے بھی صورتحال کو پیچیدہ بنا دیا ہے۔ نفس مسئلہ پر غور کرنے کے ساتھ ساتھ اس کے اسباب اور تمام پہلوؤں پر غور کرنے اور اس کے حل کی راہ تلاش کرنے کی ضرورت ہے۔ ●●

امریکی فوجی جنگوں سے تنگ! خودکشیوں میں اضافہ

ایم اے رضا

زمین پر پائی جانے والی انسان نامی مخلوق اپنے فرائض سرانجام دینے کے لئے دو قسم کے (School of Thoughts) خیالات کو استعمال کرتی ہے: (۱) پروفیشنل اور (۲) پرسنل پروفیشنل طریقے سے فرائض کی ادائیگی کی۔ سب سے بڑی مثال امریکی و ناٹو افواج ہیں اور پرسنل طریقے سے فرائض کی ادائیگی کی مثال عراق اور افغانستان میں مزاحمت کرنے والے مجاہدین کو کہہ سکتے ہیں، آج تک پوری اسلامی تاریخ میں کسی بھی مجاہد یا فوجی نے نہ تو خودکشی کی ہے اور نہ نفسیاتی مریض بنا ہے۔ کیوں؟ جبکہ مغربی اور امریکی افواج میں بالکل اس کے برعکس دن بدن فوجی دماغی مریض اور خودکشیاں کررہے ہیں۔ آج کل یہ کہا جارہا ہے کہ امریکی فوجی جنگوں سے تنگ آچکے ہیں۔ جس کی وجہ سے ان میں خودکشی کی شرح میں بھی تیزی سے اضافہ ہورہا ہے۔ کتنی عجیب بات ہے ایک سپاہی اس طرح کے مصائب میں کیسے الجھ سکتا ہے؟ سپاہی کا تو جینا مرنا میدان جنگ میں ہوتا ہے۔ اس کا مقصد ملک و قوم کی حفاظت کرنا ہوتا ہے۔ مگر یہ کیسے سپاہی ہیں جو میدان جنگ سے اکتا چکے ہیں۔

امریکی رپورٹ کے مطابق ۲۰۰۸ء میں ۱۲۸ امریکی فوجیوں نے افغانستان میں خودکشی کی ہے۔ یہ رپورٹ اس ملک نے شائع کی ہے، جس کے اپنے فوجی خودکشی کر رہے ہیں۔ اس رپورٹ میں کس حد تک صداقت ہوسکتی ہے؟ مگر ۱۲۸ کا نمبر انھوں نے میڈیا کو دے دیا، اس سے یہ بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ خود امریکی حکومت بھی اس طرح کے واقعات سے تنگ آچکی ہے اور اس کا حل تلاش کرنے کی کوشش کررہی ہے۔ آج اگر امریکہ کے ہسپتالوں کا سروے کیا جائے تو پتہ چلے گا کہ ہسپتالوں میں دماغی مریضوں میں سے ۸۰ فیصد تعداد افغان اور عراق وار میں حصے لینے والے فوجیوں کی ہیں۔ امریکی فوج کے سکریٹری ''پیٹ گرن'' نے ایک پریس کانفرنس میں یہ انکشاف کیا ہے کہ افغان وار میں خودکشیوں کی شرح ویتنام جنگ سے کئی گنا زیادہ ہے۔ پچھلے دنوں افغانستان میں ایک امریکی جنرل کا بیان تھا کہ افغان وار ویت نام سے زیادہ خطرناک ہے۔

امریکی رپورٹ کے مطابق یہ ویتنام وار کے بعد پہلی دفعہ ہوا ہے کہ امریکہ میں فوجیوں کے دماغی مریض بننے اور افغانستان میں خودکشیوں کی شرح میں خطرناک حد تک اضافہ ہوا ہے۔ امریکی حکام اس کا بھی حل نکالنے سے قاصر ہیں؟ امریکی ماہرین بھی خودکشیوں کی شرح کم کرنے میں ناکام ہوچکے ہیں۔ امریکی ماہرین نے افغان وار میں حصہ لینے والے امریکی فوجیوں کے لئے مختلف قسم کی مراعات اور پیکیجز کا اعلان کیا ہے۔ اب ہر فوجی دستے کے ساتھ ماہر نفسیات کی ایک پوری ٹیم کو مقرر کیا گیا ہے۔ مگر وہ چھوٹے دل، کمزور اور مایوس فوج میں زندگی کی کرن جگانے سے قاصر ہیں۔ جنگ شروع ہونے سے پہلے یہ فوجی امریکہ کے شوپیں تھے جو سوائے Lip Service کے اور کچھ نہیں کرتے تھے۔ انھوں نے کبھی کوئی سخت مہم میں حصہ نہیں لیا تھا۔ امریکی جنرلوں نے غلط بیانی کرکے انہیں افغانستان آنے کے لئے آمادہ کیا۔ انہیں سبز باغ دکھائے۔ مگر افغانستان آنے کے بعد صورتحال یکسر مختلف نکلی اور سب سے بڑھ کر افغان اور عراق مزاحمت کار ہیں جو جنگ پورے جذبے کے ساتھ لڑ رہے ہیں۔ امریکی ماہر نفسیات ''کرنل رچی'' نے اپنی رپورٹ میں بتایا ہے کہ زیادہ تر خودکشیاں اس وقت ہوتی ہیں جب کوئی فوجی چھٹی پر گھر آتا ہے مگر پھر واپس جانے سے کتراتا ہے یا پھر اسے گھر کی زیادہ اور میدان جنگ کی یاد کم آتی ہے۔ امریکی فوج تو تنخواہ دار طبقہ ہے جسے اپنی تنخواہ سے مطلب ہے وہ جان جوکھوں میں نہیں ڈالتے، اب تو ہر کوئی ذی شعور جانتا ہے کہ عراق اور افغانستان میں جاری جنگ درحقیقت تیل کی جنگ ہے۔ یہ سیاست اور چالاکی کا کھیل ہے جنگ نہیں ہے، جس کو جان بوجھ کر امریکی فوج پر تھوپ دیا گیا ہے۔

جارج ڈبلیو بش کوئی فوجی نہیں تھا اور نہ ہی سیاستداں، وہ خود تیل کی کمپنی کا چیئرمین رہا ہے اور اسے صدر بنانے والے وہی لوگ ہیں جنھوں نے دولت کے بل بوتے پر پورے امریکہ میں معاشی طور پر قبضہ کیا ہوا ہے۔ بش کو صدر بنانے میں صہیونی تیل کے تاجروں نے یہ شرط رکھی تھی کہ مشرق وسطیٰ میں تیل کے ذخائر کسی طرح حاصل کرے، جس کے نتیجے میں افغان اور عراق وار کا آغاز کیا گیا۔ افغانستان میں جاری جنگ کوئی روایتی جنگ نہیں، جس کی وجہ سے مجبوراً امریکی فوجی اس میں حصہ لے رہے ہیں۔ اوباما کے صدر بننے پر تبدیلی کی توقع کی جارہی تھی مگر حقائق کے مطابق اوباما کی صدارتی مہم میں چندہ انہی صہیونیوں نے سب سے زیادہ دیا جنھوں نے بش کے لئے ڈالرز پانی کی طرح بہائے تھے۔ اوباما کے لئے اب سب سے بڑا چیلنج افغانستان میں جنگ کو جاری رکھنا ہے کیونکہ امریکی فوجی جنگ میں دلچسپی نہیں لے رہے ہیں بلکہ دلبرداشتہ ہوکر خودکشیاں کررہے ہیں اور دوسری طرف امریکہ کے اتحادی ناٹو ممالک یا تو اپنی افواج کو واپس بلا رہے ہیں یا پھر مزید فوج بھیجنے سے انکار کررہے ہیں۔ ناٹو ممالک کے انکار کی بھی یہی وجہ ہے کہ ناٹو افواج بھی دماغی مسائل کا شکار ہوچکی ہیں۔ افغانستان میں ہر فوجی کے فرسٹ ایڈ باکس میں کوئی ایسی گولی نہیں جس کا تعلق براہ راست نفسیاتی مسائل سے نہ ہو بلکہ اب تو وہ میدان جنگ میں جانے سے پہلے ڈپریشن کی گولی نگل کر جاتے ہیں مگر پھر بھی خودکشیوں کی شرح میں کمی کی بجائے اضافہ ہورہا ہے۔ امریکی جریدے میں افغانستان میں موجود امریکی فوج کے سکریٹری ''پیٹ گرن'' کا کہنا ہے: ''ہم یہ بتانے سے قاصر ہیں کہ ان (خودکشیوں) کی تعداد میں اضافہ کیوں ہورہا ہے؟ لیکن ہم ایسی ہر ممکن کوشش کررہے ہیں جس سے امریکی افواج کے درمیان پائی جانے والی نفسیاتی امراض کا حل نکل سکے''۔

اس رپورٹ سے یہ بات صاف ظاہر ہوتی ہے کہ افغانستان میں موجود امریکی فوجیوں کی حالت زار سب سے گمبھیر مسئلہ بنا ہوا ہے۔ یہ رپورٹ کسی غیر جانبدار نے نہیں بلکہ خود امریکی حکام نے جاری کی ہے۔ اب پانی سر سے اوپر چلا گیا ہے جس کی وجہ سے اسے خود امریکی حکام نے جاری کیا ہے، جس کی وجہ سے امریکہ کو بولنا پڑا بظاہر تو اب اس مسئلے کا کوئی حل نظر نہیں آرہا۔

ایک اور ماہر نفسیات جو کہ افغانستان اور عراق دونوں جنگوں پر اپنی خدمات سرانجام دے رہے ہیں ان کا کہنا ہے: ''جوان فوجی بوڑھے فوجیوں کی نسبت زیادہ نفسیاتی دباؤ کا شکار ہوتے ہیں کیونکہ بوڑھے فوجیوں کے پاس تجربہ ہوتا ہے جس کے ذریعے وہ سب اچھا کی رپورٹ دیتے ہیں مگر جوان فوجیوں کو آرمی میں آتے ہی جنگ میں دھکیل دیا جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ مایوسی اور ناامیدی کا شکار ہوجاتے ہیں''۔

امریکہ میں اب باقاعدہ ایک نفسیاتی ماہرین کا ایک پینل بنا دیا گیا ہے، جس کا مقصد صرف اور صرف جنگ سے فارغ ہونے والے فوجیوں کی دیکھ بھال کرنا ہے۔ ان کو درپیش مسائل کا حل تلاش کرنا ہے، اوپر بھی بتایا جاچکا ہے کہ مسلم دنیا کی فوج اور مجاہدین اسلام میں سے نہ تو کبھی کسی نے نفسیاتی دباؤ میں آکر خودکشی کی اور نہ ہی جنگ میں زندہ بچ جانے کے بعد پاگل ہوا بلکہ اگر وہ جنگ جیت کر غازی بن کر واپس آتا ہے تو اس کا استقبال اس طرح کیا جاتا ہے کہ نفسیاتی بیماری تو دور کی بات اگر اسے جنگ میں تھکاوٹ بھی ہو تو وہ بھی اتر جاتی ہے جبکہ اس کے برعکس امریکی اور ناٹو افواج کا جذبہ شہادت سے دور دور تک کوئی واسطہ ہی نہیں، اگر افغانستان میں جاری جنگ مزید پانچ یا دس سال رہتی ہے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ طالبان اور مجاہدین کو پاگلوں کے ساتھ جنگ لڑنا پڑے گی اور یہی قدرت کا انتقام ہے۔ دنیا میں امریکہ اقتصادی لحاظ سے مار کھا رہا ہے اور اب افرادی قوت بھی کمزور ہوتی جارہی ہے جس کا فائدہ اب دیکھتے ہیں کون اٹھاتا ہے؟ ●●

ایران کا ایٹمی معاملہ سفارتی طریقے سے حل ہو/ روس

جنیوا۔ روس کے وزیر خارجہ لاؤروف نے ایک بار پھر ایران کا ایٹمی مسئلہ سفارتی طریقے سے حل کرنے پر زور دیا ہے۔ سرگئی لاؤروف نے جنیوا میں امریکی وزیر خارجہ ہلیری کلنٹن کے ساتھ مشترکہ پریس کانفرنس میں کہا کہ ایران کا ایٹمی مسئلہ صرف سیاسی اور ڈپلومیٹک طریقے سے ہی حل ہوسکتا ہے۔ روسی وزیر خارجہ نے ہلیری کلنٹن سے ملاقات میں ایٹمی ہتھیاروں کی روک تھام اور ترک اسلحہ کے معاہدے اسٹارٹ ٹو کا بھی جائزہ لیا۔ امریکی وزیر خارجہ نے اپنے روسی ہم منصب سے ملاقات میں کہا کہ امریکہ اور روس کے درمیان اسٹریٹیجک ہتھیاروں کو کم کرنے کے معاہدے کیلئے ابتدائی اقدامات انجام پاچکے ہیں۔

فکر معاصر

خوابِ بے تعبیر

ہندوستان کی آزادی کے وقت اور اس کو آزاد کرانے میں سرگرم ہمارے جو مخلص اور دانشور لیڈر تھے انھوں نے بڑے خوبصورت خواب دیکھے تھے اور اس بات کی امید ظاہر کی تھی کہ ہندوستان دنیا میں ایک مثالی جمہوریت ہوگا لیکن نصف صدی سے زیادہ عرصہ گزر جانے کے بعد بھی اگر واقعتاً دیکھا جائے تو ان خوابوں کی پچاس فیصد بھی تعبیریں سامنے نہیں آسکیں۔ غریبی ختم کرنا، ہر شخص کو روزی روٹی سے جوڑنا، ہر شخص کے لئے مکان اور کھانا کپڑا فراہم کرنا یہ بنیادی باتیں تھیں، لیکن آج بھی ہندوستان کا ایک علاقہ ایسا بھی ہے بلکہ کئی ریاستوں میں ایسے علاقے پائے جاتے ہیں جہاں کے لوگ ضروریات زندگی سے محروم ہیں اور اس بات کے امکانات نہیں ہیں کہ آنے والے دنوں میں وہ بھی ایسا محسوس کر سکیں گے کہ وہ بہتر طریقے سے زندگی جی رہے ہیں۔ زندگی ملنا اور چیز ہوتی ہے اور اسے بہتر طریقے سے گزارنا یا بہتر طریقے سے گزارنے کا موقع حاصل کرنا یہ سب الگ چیزیں ہوتی ہیں۔ بنیادی بات یہ ہے کہ جو خواب دیکھے گئے تھے ہوسکتا ہے کہ ان کے بارے میں وہ لوگ جانتے ہوں جنھوں نے خواب دیکھے تھے اور جانتے ضرور ہوں گے کیونکہ وہ بڑے دانشور اور سمجھدار لوگ تھے لیکن وہ اس بات کو کس طرح اپنی زبان سے کہہ سکتے تھے کہ جو خواب ہم نے دیکھے ہیں ان کی تعبیریں ہمیں نہیں مل سکیں گی۔ ظاہر ہے کہ اگر خوابوں کو تعبیریں نہیں ملیں تو اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ آزادی کے بعد ملک کو سرمایہ دارانہ نظام رکھنے والے ممالک نے جکڑ لیا تھا اور یہ جکڑنا بالکل اس طرح کا تھا کہ جیسے مکڑے کے بنے ہوئے جالے میں کسی مکھی کا پھنس جانا۔ ظاہر ہے کہ ترقی یافتہ ملک کسی نہ کسی طور پر ہندوستان کو ترقی یافتہ بنانے کے نام پر زیادہ سے زیادہ اس کے وسائل پر قبضہ کرنے کی فکر میں لگ گئے۔ دوسری طرف مختلف انداز سے جنگیں بھی برپا ہوئیں۔ ان کا خوف بھی بڑھا، مسئلہ کشمیر ایک ایسا تنازعہ تھا جس نے کئی کئی جنگوں کو جنم دیا اور جنگوں کے پیدا ہونے سے اسلحہ کی زیادہ سے زیادہ ضرورت پڑ گئی اور وہ پیسہ جو ملک کی ترقی کے لئے خرچ ہونا چاہئے تھا وہ اسلحہ خریدنے اور بنانے میں جانے لگا۔ ظاہر ہے کہ ان حالات میں ملک کیسے ترقی کرسکتا تھا۔ دراصل بات یہ ہے کہ جنھوں نے خوشحال ہندوستان کا خواب دیکھا تھا وہ سمجھدار ہونے کے باوجود بہت کچھ مجبور بھی تھے اور جن لوگوں نے اپنا مہربان ہاتھ ان کے سروں پر رکھا ان کی نظر دراصل خوشحالی اور اس کے خوابوں پر نہیں تھی بلکہ ان وسائل پر تھی جو ہندوستان میں موجود تھے۔ ظاہر ہے کہ وہ لوگ ہندوستان کے مخلص نہیں تھے۔ انھوں نے ہندوستان کو ایسے مسائل میں پھنسا دیا کہ ترقی تو ایک کنارے رکھی رہ گئی جنگیں مسلط ہوگئیں، ظاہر ہے کہ ان حالات میں سب خواب دھرے کے دھرے رہ گئے اور وہ سود خور مہاجن کامیاب ہوگئے جو مزدور کے جسم سے پسینہ ہی نہیں خون تک نچوڑ لیتے تھے۔ اونچی سطح سے لے کر نیچی سطح تک اگر اس معاملے کو دیکھا جائے تو ان لوگوں کا استحصال ہوتا جو دو وقت کی روٹی کے لئے مزدوریاں کرتے تھے، ملازمتیں کرتے تھے اور بڑے پیمانے پر اگر دیکھا جائے تو ترقی یافتہ ممالک ترقی پذیر ملکوں کا استحصال کرتے رہے۔ استحصال کے اپنے اپنے درجات ہوتے ہیں کہیں یہ درجہ بہت بڑا تھا اور کہیں یہ بہت چھوٹا، کہیں یہ پیمانہ بڑا تھا کہیں یہ چھوٹا تھا، لیکن استحصال ہر جگہ تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آدھی صدی گزر جانے کے بعد بھی جو ترقی ہوئی اس ترقی میں بھکمری، غریبی، بیروزگاری تو ختم نہیں ہوئی، سرمایہ داری بڑھی، استحصال بڑھا، کھانے پینے کی چیزوں سے زیادہ اسلحہ پر پیسہ خرچ کیا گیا۔ دشمنوں کی تعداد بڑھتی چلی گئی اور ایک موڑ ایسا بھی آیا جب دہشت گردی نے ساری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ یہ دہشت گردی کبھی نہ پیدا ہوتی اگر ان طبقات کو مساوی حقوق دیئے جاتے جو محرومی اور مایوسی سے دوچار ہیں۔

(انوار قوم، کانپور)

جان مرتی نہیں مرگِ بدن سے!

یعقوب سروش
(ایڈیٹر بساط ذکر وفکر)

انسان کے دل میں یہ بات ہردم کھٹکتی رہتی ہے کہ کیا ہماری زندگی واقعی مہمل اور فانی ہے؟ پھر ساتھ ہی یہ الجھن بھی پیدا ہوتی ہے کہ آیا آدمی مرنے کے بعد سچ مچ زندہ ہوجاتا ہے؟ قرآن مجید اپنے ہر صفحات پر بار بار یہ تلقین کرتا ہے کہ اولاد آدم ایک ذمہ دار مخلوق ہے اور اسے اپنے اچھے برے اعمال کی جزا یا سزا پانے کے لئے اللہ تعالیٰ کے دربار میں پیش ہونا ہے۔ ہر فرد اپنا اپنا نامۂ اعمال لے کر اکیلے اکیلے اس کے حضور میں پہنچتا ہے۔ قرآن پاک کی اس تلقین اور یاد دہانی سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ زندگی اس ظاہری موت کے ساتھ ہی ختم نہیں ہوجاتی بلکہ موت کے بعد بھی زندگی کا تسلسل برقرار رہتا ہے اور یہ تسلسل روحانی ہے۔

انسان کو یہ پریشانی ہمیشہ لاحق رہتی ہے کہ جب اس کا جسم مٹی میں رل مل جائے گا، ہڈیاں ریزہ ریزہ ہوکر خاک ہوجائیں گی تو پھر اسے کس طرح اٹھایا جائے گا۔ ارشاد ہوتا ہے: ”کیا انسان کا خیال یہ ہے کہ ہم اس کی ہڈیوں کو جمع نہیں کر سکیں گے؟ کیوں نہیں! ہم اس پر قادر ہیں کہ اس کی ایک ایک پور کو ٹھیک جوڑ کر برابر کردیں“۔ (القیامہ، ۳/ ۴) اور سورہ یاسین: ۳۶ میں یہی بات اس طرح بتائی گئی ہے: ”وہ کہتا ہے کہ ہڈیوں کو جبکہ وہ چورا چورا ہوچکی ہوں گی کون زندہ کرے گا؟ تو (اے رسول ﷺ) فرما دیجئے کہ وہی جس نے پہلی بار نیستی یعنی عدم سے پیدا کیا تھا“۔ (آیت: ۷۹) قرآن مجید کے اور بھی کئی مقامات ہیں جہاں انسان کی دوبارہ زندگی کے بارے میں بڑی وضاحت اور مثالوں کے ذریعے بتایا گیا ہے۔

جب انسان کا اس دنیا سے روانگی کا وقت موعود آجاتا ہے تو وہ اپنے سارے رشتوں ناطوں کو توڑ کر اس گزرگاہ دنیا سے چلا جاتا ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: ”جو مرگیا اس کی قیامت تو واقع ہوگئی“ اس کے لئے زمان و مکان اور وقت کی ساری حد بندیاں یک لخت ختم ہوجاتی ہیں۔ پھر ایک طویل عرصے کے بعد حکم خدا پر جب یہ سارے خفتگان خاک اٹھیں گے تو انہیں یہ محسوس ہوگا کہ وہ زمین میں ایک دن یا دن کا کچھ حصہ ہی ٹھہرے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہوگا تھوڑی ہی دیر ٹھہرے ہونا۔ کاش تم نے یہ بات اس وقت ہی جانی ہوتی“۔

(مومنون ۲۳: ۱۱۲-۱۱۵)

منکرین کہتے ہیں: ”جب ہم مٹی میں مل چکے ہوں گے تو کیا ہم پھر نئے سرے سے پیدا کئے جائیں گے؟ اصل بات یہ ہے کہ یہ اپنے رب کی ملاقات کے منکر ہیں۔ اے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم!) ان سے کہئے کہ موت کا وہ فرشتہ جو تم پر مقرر کیا گیا ہے تم کو پورے کا پورا اپنے قبضے میں لے لے گا اور پھر تم اپنے رب کی طرف پلٹائے لائے جاؤ گے“۔ (السجدہ: ۳۲، ۱۰، ۱۱)

اسی سورت کی آیت نمبر ۹ میں اللہ تعالیٰ انسان کی تخلیق کے بارے میں بتاتا ہے کہ اس کی ابتداء گارے سے ہوئی اور پھر اس کی نسل ایک ایسے ست سے چلائی جو حقیر پانی کی طرح کا ہے۔ پھر انتہائی باریک خوردبینی وجود سے بڑھا کر اسے پورا انسان بنایا اور اس کا جسم پورے اعضاء و جوارح کے ساتھ مکمل کردیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس لبد خاکی کے اندر اپنی روح پھونک دی۔ ”ونفخ فیہ من روحہ (۳۲-۹) یہ روح کیا ہے؟ اس روح کو اللہ تعالیٰ نے اپنی روح فرمایا کیونکہ وہ اسی کی ملک ہے اور اسی روح سے انسان کے اندر علم، فکر، شعور، ارادہ فیصلہ، اختیار اور اس جیسے جو اوصاف پیدا ہوئے ہیں وہ سب کے سب اللہ تعالیٰ کی صفات کے پرتو ہیں۔ اللہ کے علم سے اس کو علم ملا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کی حکمت سے اس کو دانائی ملی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اختیار سے اس کو اختیار ملا ہے۔ پھر اس کو علم کے ذرائع بھی عطا کئے گئے ہیں جن میں کان اور آنکھ اہم ذرائع ہیں یعنی سننا اور دیکھنا۔ ان ہی دو بڑے اہم علم کے ذرائع کو قرآن مجید خدائے تعالیٰ کے نمایاں عطیوں کی حیثیت سے پیش کرتا ہے۔

منکرین آخرت کا یہ کہنا ہے کہ ”ہم“ مٹی میں رل مل چکے ہوں گے یہ ”ہم“ کیا ہے؟ ”ہم“ جس چیز کا نام ہے وہ مٹی میں نہیں ملتا مٹی میں تو صرف وہ جسم ملتا ہے جس میں سے ”ہم“ نکل چکا ہوتا ہے۔ یہ جسم جو مادی شئے ہے، جو نظر آتا ہے اس کا نام ”ہم“ نہیں ہے۔ جب اس لبد خاکی سے ”ہم“ ”میں“ اور ”تم“ (جسے دوسرے الفاظ میں ”انا“ یا شخصیت کہا جاتا ہے) نکل جاتا ہے تو جسم جو زمین کے مختلف اجزاء سے بنا تھا، وہ اسی زمین میں مل جاتا ہے۔ جب عمر اختتام کو پہنچتی ہے اور مہلت عمل کا وقت ختم ہوجاتا ہے تو خدا کا فرشتۂ موت (ملک الموت) اپنے ماتحت فرشتوں کے عمل کے ساتھ آجاتا ہے اور اس ”ہم“ یا ”انا“ کو جسم سے نکال کر پورے کا پورا اپنے قبضے میں لے لیتا ہے اور اس کا کوئی معمولی سا جز بھی جسم کے ساتھ مٹی میں نہیں جاتا۔ اس طرح اس کو حراست میں لے لیا جاتا ہے اور پھر اسے رب کے حضور پیش کیا جائے گا۔ ملک الموت اور اس کے عمل کا برتاؤ مجرم ”ہم“ کے ساتھ کچھ اور ہوتا ہے اور مومن صالح ”ہم“ کے ساتھ کچھ اور۔ سورہ واقعہ: ۵۶ میں ارشاد ہوتا ہے: ”جب کسی کی جان نکل رہی ہوتی ہے اس وقت تمہارے مقابلے میں ہم اس کے زیادہ قریب ہوتے ہیں مگر تم کو نظر نہیں آتے۔ پھر مرنے والا مقربین میں سے ہو تو اس کے لئے راحت، عمدہ رزق اور نعمت بھری جنت ہے، اس کا استقبال سلام سے ہوتا ہے۔ اگر وہ گمراہ لوگوں میں سے ہو تو اس کی تواضع کے لئے کھولتا ہوا پانی اور جہنم میں جھونکا جاتا ہے۔ اور یہ سب کچھ قطعی حق ہے“۔ (۸۶ تا ۹۵) اور یہ جتنے بھی مجرم ہوں گے سر جھکائے اپنے رب کے حضور کھڑے ہوں گے اور عرض کریں گے۔ اے ہمارے رب! ہم نے خوب دیکھ لیا اور سن لیا۔ ہمیں اب واپس دنیا میں بھیج دے تاکہ ہم نیک عمل کریں ہمیں اب یقین آگیا ہے۔ جواب آئے گا۔ نہیں، اب چکھو مزا اپنے کرتوتوں کی پاداش میں کہ تم نے اس دن کی ملاقات کو بالکل بھلا دیا تھا۔ ہم نے بھی اب اسی طرح تمہیں فراموش کردیا ہے“۔ (۳۲: ۱۲ تا ۱۴) پھر مومنین صالحین کو خوشخبری دی جاتی ہے کہ ان کے اعمال کی جزا میں ان کے لئے ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک کا جو سامان چھپا کر رکھا گیا ہے اس کی کسی شخص کو خبر نہیں ہے“۔

(۳۲: ۱۷)

یہی خوشخبری بخاری، مسلم اور مسند احمد میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے وہ کچھ فراہم کر رکھا ہے جسے نہ کبھی کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کبھی کسی کان نے سنا اور نہ کوئی انسان کبھی اس کا تصور کرسکا ہے۔

قرآن مجید میں وہ آیات بہت کثرت سے ہیں بلکہ ہر صفحہ پر ان کو دیکھا جاسکتا ہے جو آخرت کا ذکر کرتی ہیں۔ اللہ سے ملاقات کی یاد دلاتی ہیں اور اس سے ملاقات کی تفصیلات بیان کرتی ہیں۔ ہم مانتے ہیں کہ قرآن ہمارے لئے روشنی ہے۔ ہمارے لئے ہدایت و رہنمائی ہے لیکن ذرا اپنی زندگیوں کا جائزہ لے کر دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ ہم آخرت، جنت اور دوزخ کا ذکر بہت کم کرتے ہیں غالباً یہ سیکولرزم اور دور جدید کا اثر ہو کہ ہم عالم غیب کی ان باتوں کا تذکرہ کرتے ہوئے شرماتے ہیں جھجکتے ہیں کہ لوگ کیا کہیں گے کہ اس ”روشن زمانے“ میں ”سائنس اور ٹیکنالوجی“ کے دور میں حور و غلمان، جنت کے محلات اور وہاں کی نعمتوں کا ذکر کرتے ہیں اور آگ سے ڈراتے ہیں چنانچہ ہمارے اخبارات و رسائل میں سب کچھ ملتا ہے لیکن آخرت نام کی کوئی شئے نظر نہیں آتی۔ سرنامہ پر بسم اللہ تک لکھنے سے بھی اجتناب کرتے ہیں اور پھر دعویٰ ہے کہ ہم مسلمانوں کی رہنمائی کرتے ہیں۔

جب مسلمان جنگ کے طلبگار بن جائیں گے جس طرح صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین تھے تو پھر وہ دنیا کو بھی جنت بنائیں گے اور دنیا میں عدل وانصاف کا نظام بھی قائم ہوگا۔ تاریخ گواہ ہے کہ اسپین سے لے کر چین تک ساری دنیا ان کے قدموں میں ڈھیر ہوگئی جو آسمانی جنت کے طلبگار تھے۔ ہم اگر آخرت کے طلبگار بنیں گے تو فرشتے ہماری مدد کے لئے نازل ہوتے رہیں گے۔ وہ ہمارے لئے دعائے رحمت و مغفرت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی مدح وثنا کرتے ہیں اور ہم پر سلام بھیجتے ہیں۔ قرآن کے کئی مقامات ایسے ہیں جہاں یہ بات بتلائی گئی ہے: ”جن لوگوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ ہمارا رب ہے اور پھر وہ اس پر ثابت قدم رہیں تو یقیناً ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں اور ان سے کہتے ہیں کہ نہ ڈرو، نہ غم کرو اور خوش ہوجاؤ اس جنت کی بشارت سے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ ہم اس دنیا کی زندگی میں بھی تمہارے ساتھی ہیں اور آخرت میں بھی“! (حم السجدہ ۴۱: ۳۰-۳۱)

فرشتوں کا یہ نزول محسوس صورت میں نہیں ہوتا ان کی باتیں اپنے کانوں سے سننے کے بجائے دل کی گہرائیوں میں سکینت و اطمینان قلب بن کر اترتی ہیں۔ ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے: ”وہی ہے جو تم پر رحم فرماتا ہے اور اس کے فرشتے تمہارے لئے رحمت کی دعا کرتے ہیں تاکہ وہ تمہیں تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لائے وہ مومنوں پر بہت مہربان ہے۔ جس روز وہ اس سے ملیں گے ان کا استقبال ”سلام“ سے ہوگا اور ان کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے بڑا ہی باعزت اجر فراہم کر رکھا ہے“۔

(سورۃ الاحزاب ۳۳: ۴۴)

مومنین صالحین کے بلند مرتبے کا ذکر اس طرح ہوتا ہے: ”عرش الٰہی کے حامل فرشتے اور وہ جو عرش کے اردگرد حاضر رہتے ہیں سب اپنے رب کی حمد وثنا کے ساتھ اس کی تسبیح کرتے ہیں۔ وہ اس پر ایمان و یقین رکھتے ہیں اور ایمان لانے والوں کے حق میں دعائے مغفرت کرتے ہیں“۔

(سورۃ المومن ۴۰: ۷)

ان آیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایمان کا رشتہ ہی وہ اصل رشتہ ہے جس نے عرشیوں کو فرشیوں سے ملا کر ایک دوسرے سے وابستہ کردیا۔ فرشتوں کی دعائیں ختم نہیں ہوتی، آگے وہ کہتے ہیں: ”اے ہمارے رب! تو اپنی رحمت اور علم کے ساتھ ہر چیز پر چھایا ہوا ہے۔ پس معاف کردے اور عذاب دوزخ سے بچالے ان لوگوں کو جنھوں نے توبہ کی اور تیرا راستہ اختیار کیا۔ اور اے ہمارے رب! داخل کر ان کو ہمیشہ رہنے والی ان جنتوں میں جن کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہے اور ان کے والدین اور بیویوں اور اولاد میں سے جو صالح ہوں (ان کو بھی وہاں ان کے ساتھ ہی پہنچادے“۔

(سورۃ المومن ۴۰: ۷، ۸)

پس معلوم ہوا کہ قرآن کریم جو کتاب زندہ ہے، عالم انسانیت کی شکست آرزو کا واحد مداوا ہے، مٹی میں مل جانے، ہلاک ہوجانے، ہڈیوں کے ریزہ ریزہ ہوجانے کا احساس بے یقینی کی پیداوار ہے مگر وہ شخص جو قرآن حکیم پر کامل یقین رکھتا ہے وہ ضرور بول اٹھے گا۔

جانے کہ بخشند دیگر نگیرند
آدم بمیرد از بے یقینی!

یعنی جان جو عطا کی گئی ہے، واپس نہیں لی جائے گی لیکن انسان ہے کہ بے یقینی کے باعث مرا جارہا ہے اور یہ یقین عطیہ ہے قرآن کا۔ تحفہ ہے اسلام کا!!

●●

اسلامک فقہ اکیڈمی کے ۱۸ ویں سیمینار کے چند اہم فیصلے

اسلامک فقہ اکیڈمی کا اٹھارہواں سیمینار مورخہ ۲۸/ فروری وکیم اور ۲/ مارچ ۲۰۰۹ء کو ٹملناڈو کے مشہور تجارتی شہر مدورائی میں ”جامعۃ الریحان“ کے زیر اہتمام منعقد ہوا، جس میں پورے ملک سے تقریباً ڈھائی سو علماء ومفتیان کرام نے شرکت کی، ان کے علاوہ متحدہ عرب امارات، قطر، بحرین اور سری لنکا سے بھی ممتاز علماء شریک ہوئے، اس سیمینار میں موجودہ عالمی اور سماجی حالات وضرورتوں کے پس منظر میں چار موضوعات پر بحث ہوئی اور باتفاق رائے تجاویز منظور کی گئیں، یہ تجاویز حسب ذیل ہیں:

قیدیوں کے حقوق

عصر حاضر میں، بیرون ملک میں قیدیوں کے ساتھ بدسلوکی کے واقعات جس کثرت سے پیش آرہے ہیں، وہ ہر انسان دوست اور انصاف پسند شخص کے لئے لمحۂ فکریہ ہے، اس تناظر میں اسلامی و اخلاقی نقطۂ نظر کو واضح کرتے ہوئے یہ تجاویز منظور کی گئیں کہ:

(۱) کوئی شخص جرم کا مرتکب ہو تب بھی اس کے انسان ہونے کی حیثیت باقی رہتی ہے، اسے اس کے جرم کی سزا ضرور ملنی چاہئے؛ لیکن وہ انسانی توقیر واحترام کے حق سے محروم نہیں ہوجاتا۔

(۲) اگر کسی شخص پر جرم کا الزام ہو، تو جب تک وہ پایۂ ثبوت کو پہنچ نہیں جائے، اس کو مجرم قرار نہیں دیا جاسکتا اور نہ اس کے ساتھ مجرموں کا سا سلوک کیا جاسکتا ہے۔

(۳) کسی الزام کی بنیاد پر قید کرنا جائز ہے؛ بشرطیکہ کسی قوی قرینہ سے ہی الزام کی تائید ہورہی ہو، یا ملزم پر شک کئے جانے کی واضح علامتیں موجود ہوں اور ایسی صورت میں قید کی مدت عدالت کی صوابدید پر ہے؛ لیکن یہ مدت اتنی طویل نہ ہونی چاہئے، جو کسی ثابت شدہ جرم پر دی جاتی ہے۔

(۴) قیدیوں کے حقوق:

(الف) بلاتفریق مذہب جملہ قیدیوں کو اپنے اپنے مذہب کے مطابق عبادت وعمل کی آزادی حاصل ہوگی، نیز اس کی مذہبی تعلیمات کے مطابق اس کیلئے غذا فراہم کی جائے گی اور وہ جس مذہب پر عقیدہ رکھتا ہے، اس مذہب کی مقدس شخصیتوں اور کتابوں وغیرہ کی بے احترامی سے گریز کیا جائے گا۔

(ب) قیدیوں کو جسمانی ضروریات مثلاً: مناسب غذا، صاف پانی اور موسم کے لحاظ سے کپڑے، نیز علاج ومعالجہ کی سہولیات فراہم کی جائیں گی، ان کو حفظان صحت کے لئے ورزش کی اجازت ہوگی، قیدیوں کو ایسی تنگ جگہ میں رکھنا درست نہیں، جہاں ٹھیک سے کھڑا ہونا یا پاؤں پھیلا کر لیٹنا ممکن نہ ہو یا ہوا اور روشنی کا مناسب نظم نہ ہو۔

(ج) قیدیوں کو سماجی حقوق مثلاً: تعلیم وہنر سیکھنے، عام حالات میں دیگر قیدیوں سے ملاقات کرنے اور عزیز و اقارب سے رابطہ کرنے کے حقوق حاصل ہوں گے، جہاں تک ریڈیو اور ٹی وی کا تعلق ہے تو یہ عموماً تفریحی چیزوں کا حصہ ہوتی ہیں؛ لہٰذا اس کی اجازت دینا ضروری نہیں؛ البتہ اخبارات پڑھنے کی اجازت دینا حکومت کی صوابدید پر ہے۔

(د) مردوں اور عورتوں کو الگ الگ قید خانوں میں رکھا جائے اور اس بات کو یقینی بنایا جائے کہ عورتوں کے حصہ کی نگراں افسر بھی خاتون ہی ہو، زنانہ قید خانہ میں اندرونی دیکھ بھال کا کام بھی عورتیں ہی سنبھالیں اور اسی طرح نابالغ اور بالغ قیدیوں کو بھی الگ الگ رکھا جائے۔

(۵) قیدیوں سے سچی بات اگلوانے کے لئے قیدیوں کا نارکو الاٹسس کرنا، انہیں بے لباس کرنا، الکٹرک شاک لگانا، ان پر کتے چھوڑنا، ان کو برف کی سلوں پر ڈالنا، انہیں مسلسل جاگتے رہنے پر مجبور کرنا اور اس کے لئے ان کی جائے رہائش میں تیز روشنی کرنا یا تیز آواز سنانا یہ تمام امور ناجائز، غیر اخلاقی اور غیر انسانی ہیں، اسی طرح ایسی سزائیں جن سے کسی عضو کو نقصان پہنچے، یا اس کے تلف ہوجانے کا اندیشہ ہو یا ذہنی و دماغی صحت متاثر ہونے کا خطرہ ہو، بھی حرام ہے۔

(۶) قیدیوں کو زنجیروں میں جکڑنا، ہتھکڑی پہنانا یا بیڑی ڈالنا شرعاً ناجائز ہے، البتہ اگر قیدی خطرناک اور عادی مجرم ہو، جس کے فرار ہونے کا یا خود کو یا دوسروں کو نقصان پہنچانے کا اندیشہ ہو تو اس کو قابو میں رکھنے کے لئے قانون کی حدود میں مناسب تدبیر اختیار کی جاسکتی ہے۔

(۷) اگر مصلحت متقاضی ہو تو مجرم کو اتنے دنوں کی قید تنہائی دی جاسکتی ہے، جس کی میڈیکل آفیسر اجازت دے، اور یہ اتنی طویل نہ ہو کہ قیدی ذہنی مریض ہوجائے۔

(۸) جبری کام لیا جانا اگر سزا کا حصہ ہو تو بطور تعزیر قیدی سے اس کے حسب طاقت جبری کام لیا جاسکتا ہے اور اس صورت میں شرعاً وہ اجرت کا مستحق نہ ہوگا؛ البتہ حکومت اپنے قانون کے تحت اجرت دے تو یہ اس کے لئے حلال ہوگی، بصورت دیگر وہ اجرت کا مستحق ہوگا۔

(۹) زیر سماعت قیدیوں کو اصولی طور پر بے قصور تصور کیا جائے، ایسے قیدی مجرم نہیں؛ بلکہ ملزم ہوتے ہیں، ان کے ساتھ مجرموں جیسا رویہ ہرگز نہ اختیار کیا جائے؛ لہٰذا ان سے جبری کام لینا درست نہیں اور دیگر قیدیوں کے مقابلے میں ان کے ساتھ اچھا سلوک ضروری ہے۔

(۱۰) زیر سماعت قیدیوں کو سماعت سے پہلے اتنے دنوں تک قید میں رکھنا جو ان کے اوپر عائد فرد جرم کی اصل سزا کے برابر ہے۔ درست نہیں، تیز فیصلے یا تحقیق حال میں تاخیر نہیں ہونی چاہئے کہ دوران مقدمہ قید کی مدت سزا کی مدت سے لمبی ہوجائے اور اگر ایسا ہو تو اسے فوراً رہا کردیا جائے۔

(۱۱) بے قصور قیدی کو زمانہ قید میں ہونیوالی ذہنی اذیت کا مالی ہرجانہ دینا واجب ہے۔

(۱۲) قیدی کو مقدمات کے سلسلے میں وکیل سے رابطہ کرنے، اپنے عزیز و اقارب سے مشورہ کرنے اور اپنی صفائی پیش کرنے کے سارے حقوق حاصل ہوں گے۔

(۱۳) خواتین قیدیوں کو اپنے ساتھ شیر خوار بچوں کو جیل میں رکھنے کی اجازت ہوگی۔

(۱۴) اجلاس نے محسوس کیا کہ ملک میں قید خانوں اور قیدیوں کے تعلق سے جو قوانین اور قواعد نافذ ہیں، ان میں اکثر ان امور کا لحاظ رکھا گیا ہے، جو اسلامی نقطۂ نظر سے اوپر بیان کئے گئے ہیں؛ تاہم عملاً ان کو بہت کم نافذ کیا جاتا ہے؛ اس لئے یہ اجلاس مطالبہ کرتا ہے کہ مذکورہ تمام حقوق قیدیوں کو عملی طور پر دیئے جائیں، اجلاس میں اس احساس کا بھی اظہار ہوا کہ عام طور پر کسی ٹھوس شہادت کے بغیر قانون اور سپریم کورٹ کی ہدایات کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے شہریوں کو گرفتار کیا جاتا ہے، گزشتہ چند برسوں میں مسلم نوجوانوں کی اس طرح گرفتاری کے متعدد واقعات ہوچکے ہیں، جنھیں گرفتار کرنے کے بعد اذیت پہنچائی جاتی ہے، ٹارچر کیا جاتا ہے، کئی دنوں تک اپنی تحویل میں رکھنے کے بعد پولیس ان کی گرفتاری درج کرتی ہے اور عدالت میں پیش کرتی ہے، پولیس اور نفاذ قانون کے اداروں کے اس رویہ اور حکومت کی چشم پوشی کے نتیجے میں ملک میں اضطراب اور بے چینی کی کیفیت پیدا ہورہی ہے اور ملک کی جمہوریت داغدار ہورہی ہے؛ اس لئے یہ اجلاس مرکزی اور ریاستی حکومتوں سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ پولیس کو قانون و قواعد اور سپریم کورٹ کی ہدایات کا پابند بنائے، اس کی خلاف ورزی کرنے والے عہدہ داروں کے خلاف عبرتناک کاروائی کرے اور سخت ہدایات جاری کی جائیں کہ قوی اور ٹھوس بنیاد کے بغیر کسی کو گرفتار نہ کیا جائے اور تعذیب اور ٹارچر کا طریقہ بالکل ختم کردیا جائے۔

(۱۵) اجلاس کا یہ بھی احساس ہے کہ امریکہ اور بعض یورپی ممالک نے دہشت گردی کا بہانہ بنا کر مختلف مقامات پر جو عقوبت خانے بنائے ہیں اور جن میں وحشیانہ طریقے پر ایذا پہنچائی جاتی ہے، یہ بین الاقوامی میثاق اور اصولوں کی کھلی خلاف ورزی اور انسانیت سوز حرکت ہے، جس کا نوٹس اقوام متحدہ اور دیگر عالمی اداروں اور حقوق انسانی وشہری آزادیوں کی بین الاقوامی انجمنوں کو لینا چاہئے، اجلاس میں ان سے مطالبہ کیا گیا کہ ان عقوبت خانوں اور ان میں روا رکھے جانے والے مظالم کے خلاف آواز بلند کریں، عالمی ادارے ان ممالک کے خلاف تہدیدات عائد کریں اور انہیں بین الاقوامی قوانین پر عمل کرنے کے لئے مجبور کریں۔

(۱۶) سیمینار اس صورت حال پر گہری تشویش ظاہر کی گئی کہ ملک کے بعض علاقوں میں بار کونسلیں اور وکلاء ان لوگوں کا مقدمہ لینے سے انکار کررہے ہیں، جن کے خلاف دہشت گردی کا الزام لگایا جاتا ہے؛ حالانکہ قانونی دفاع ہر شخص کا حق ہے اور یہ ایک مسلمہ عالمی قانون ہے کہ ملزم کو مجرم کا درجہ نہیں دیا جاسکتا، نہ ملک کا قانون اس کی اجازت دیتا ہے اور نہ یہ اخلاقی وانسانی تقاضوں کے مطابق ہے۔ وکلاء اور یہ ادارے انصاف قائم کرنے کے لئے ہیں، ان کا ایسی غیر منصفانہ حرکتوں کا مرتکب ہونا نہایت افسوسناک ہے؛ اس لئے سیمینار وکلاء برادری اور بار کونسلوں سے بھی مطالبہ کرتا ہے کہ وہ ایسے غیر قانونی رویہ سے گریز کریں اور حکومت سے بھی مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اس کا سد باب کرے۔

تعلیمی قرض

تعلیم انسان کی بنیادی ضرورت ہے اور ہر علم نافع کی اسلام نے حوصلہ افزائی کی ہے، اس ضرورت کی تکمیل کے لئے فرد، سماج اور حکومت تینوں کو اپنا کردار ادا کرنا ضروری ہے، اس پس منظر میں یہ سیمینار حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ ہمارے ملک میں تعلیم اتنی مہنگی ہوچکی ہے کہ ملک کے غریب شہریوں خاص کر مسلمانوں کی اکثریت کے لئے معاشی پسماندگی کی وجہ سے اعلی تعلیم کا حصول مشکل ترین امر بن گیا ہے، یہ ملک مختلف مذہبوں، زبانوں اور تہذیبوں کا گلدستہ ہے، اس میں کسی ایک طبقے کا پچھڑ جانا یقیناً قومی ترقی کے لئے نقصاندہ ہے؛ اس لئے حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ مسلمانوں کی تعلیمی پسماندگی کو دور کرنے میں اپنا موثر رول ادا کرے، اعلی تعلیم کے حصول کے لئے مسلمانوں کو بلاسودی قرض فراہم کرے، نیز تعلیم حاصل کرنے کے لئے مسلمان بچوں کو معقول اسکالرشپ فراہم کرے اور اس کے حصول کی شرائط کو آسان کرے۔

یہ اجلاس مسلمانوں کو توجہ دلاتا ہے کہ:

(۱) ان پر لازم ہے کہ وہ اپنے بچوں کی تعلیم کو اولین ترجیح دیں اور اپنی آمدنی کا معقول حصہ ان کی تعلیم وتربیت پر صرف کریں۔

(۲) مسلمانوں کو چاہئے کہ اپنی نئی نسل کی تعلیمی ضرورتوں کے پیش نظر ملکی، ریاستی اور علاقائی سطح پر اطلاعاتی ادارہ، انجمن، سنٹر قائم کریں، جو ملک اور بیرون ملک میں اعلی تعلیم کے مواقع اور حکومت کی تعلیمی امدادی اسکیموں سے نئی نسل کو واقف کرائیں۔

(۳) مختلف علوم اور کورسوں کے لئے اسکالرشپ فراہم کرنیوالے اداروں، تنظیموں کے مابین رابطہ اور تعاون واطلاعات کے تبادلہ کا نظم قائم ہوتا کہ طالب علموں کو اسکالر شپ کے حصول میں سہولت ہو۔

(۴) ریاستی اور علاقائی سطح پر ایسے تعلیمی فنڈ قائم کریں، جس سے ہونہار اور ضرورتمند بچوں کی اعلی تعلیم کے حصول میں مدد کی جاسکے۔

(۵) عصری علوم کے ماہرین خصوصاً ریٹائرڈ اور پروفیشنل حضرات کو چاہئے کہ وہ اپنی معلومات اور تجربات سے نئی نسل کی موثر رہنمائی کا فریضہ انجام دیں۔

(۶) علماء اور اصحاب ثروت کو چاہئے کہ وہ ان حضرات کی خدمات سے فائدہ اٹھانے کی منظم کوشش کریں۔

(۷) مسلمانوں کے عصری تعلیمی ادارے، اخراجات میں ایسی سہولتیں فراہم کریں کہ ضرورتمند و باصلاحیت طلبہ ان سے بآسانی فائدہ اٹھا سکیں، بالخصوص ڈونیشن کے بھاری اور غیر شرعی بوجھ سے مسلمان طلبہ و طالبات کو آزاد کریں کہ یہ نہ صرف غیر اسلامی؛ بلکہ غیر انسانی طرز عمل بھی ہے۔

یہ اجلاس مسلمان طلبہ و طالبات کو تلقین کرتا ہے کہ: (۱) علم مؤمن کی متاع گم گشتہ ہے؛ لہٰذا مسلمانوں کو چاہئے کہ پروفیشنل علوم کو انسانی خدمت کے جذبہ سے حاصل کریں۔

(۲) مسلمان طلبہ وطالبات کا فریضہ ہے کہ وہ اپنی دینی پہچان کے ساتھ محنت اور تعلیمی مسابقت کو اپنا شعار بنائیں۔

(۳) اپنے تعلیمی اخراجات کی تکمیل کے لئے حسب ضرورت اسکالرشپ اور غیر سودی قرض حاصل کرنے اور اپنی تعلیم مکمل کرنے کی ہر ممکن کوشش کریں۔

(۴) جس طرح سود کا لینا حرام ہے،

باقی صفحہ ۸ پر

غزہ جنگ بندی کے بعد بھی رشتہ داروں کا ظلم جاری!

محمد بلتاجی، ترجمہ: مسعود الرحمٰن خاں ندوی

ظلم تو ظلم ہی ہوتا ہے، لیکن قرابت داروں کے ظلم سے جس کا واسطہ پڑتا ہے وہی جانتا ہے کہ کتنا المناک ہوتا ہے! یکطرفہ جنگ کے ماقبل، جنگ کے دوران اور جنگ کے مابعد قریب ترین عرب ملک جس کی حیثیت کبھی آزادیٔ فلسطین وبیت المقدس کے ہراول دستہ کی تھی، پھر اس مقصد کے لئے کام کرنے والی تنظیموں کے مؤسس وسرپرست کی رہی، یقین نہیں آتا کہ مزاحمت کے ساتھ اسلامی نام وصفت کے لگنے سے وہ ایسا بھڑکے گا کہ اس میں اور صہیونی، امریکی، یوروپی، غیر عرب غیر مسلم دشمنوں میں کوئی فرق نہ رہے گا، بلکہ خونی دشمنوں سے بڑھ کر مسلم عرب فلسطینیوں کے خون کا پیاسا ہو جائے گا، ساز باز کرے گا، مخبری کرے گا، کھانے پینے، دوا علاج معالجہ سے ترسا دے گا! سنگدلی کے ان مظاہروں سے تو یہ شبہ ہونے لگتا ہے کہ آیا یہ حکام واقعتاً عرب بھی ہیں؟ مسلم بھی ہیں؟ بلکہ کیا انسان بھی ہیں؟ کیا ان کے پاس ضمیر نام کی کوئی چیز بھی ہے؟ ان کے سامنے جوابدہی اور حساب کتاب کا کوئی مسئلہ بھی ہے؟ یا سب کچھ عصر حاضر کے دجالی فتنہ سامان آقاؤں کے ہاتھوں گروی رکھ کر فکر دنیا وآخرت سے بے نیاز وحشی جانور ہو گئے ہیں؟ ان سوالوں پر تو جب موقع ملے غور کرتے رہئے گا، فی الوقت تو یکطرفہ جنگ کے بعد پڑوسی ملک کے واسطہ سے دنیا بھر سے آئی ہوئی امدادی غذا ودوا کے مستحقین تک نہ پہنچنے دینے کی دلسوز داستان پڑھئے: (مترجم)

فرض تو یہ کیا جاتا تھا کہ جنگ بندی کے بعد فلسطینی قوم کی ثابت قدمی واستقلال کی تقویت کے لئے سب سے پہلے آنے والوں میں اقوام متحدہ کے جنرل سکریٹری بان کی مون کے بجائے فلسطینی مقتدرہ کے صدر محمود عباس آئیں گے اور دوسرے دن مصری وزیر اعظم یا کم از کم وزیر خارجہ باپ اور بڑے بھائی۔ پہلے تو فلسطینی اور مصری سرکاری بندوبست نے چپ سادھ لی، پھر حملہ ہونے کی صبح سے حملہ کا جواز پیش کرنے اور مزاحمت پر لعنت علامت برسانے لگے، اس کے بعد دوحہ میں اوّل ودوم عرب چوٹی کانفرنس میں رکاوٹ ڈال کر اس کو ناکام کرنے پر مصری وزیر خارجہ فخر کرنے لگے، پھر شرم الشیخ میں یوروپی رہنماؤں کے ساتھ دوستانہ کھچڑی پکانے کے بعد باری باری سیدھے تل ابیب پہنچے تاکہ حملہ آور صہیونی وجود کے مجرمین کو تمام الزامات سے معافی تلافی اور برأت کا سرٹیفکٹ عطا کرنے کے علاوہ از سرنو غزہ کے بحری وبرّی اور فضائی فوجی حصار کے لئے ضروری انتظامات مل جل کر انجام دیں۔

ہم نے مصری مجلس عوام (پارلیمان) کے اسپیکر سے مختلف سیاسی عناصر یا کم از کم حاکم حزب وطنی نیشنل اتحاد کا پارلیمانی وفد تشکیل دینے کا مطالبہ کیا تاکہ حکومت مصر کے واجب ادا نہ کرنے کی تلافی کے لئے وہ وفد غزہ کا دورہ کرے، لیکن ہمارا مطالبہ قبول نہ ہوا تو ہم نے ان کو اطلاع دی کہ اخوان المسلمین، زیر تشکیل کرامۃ پارٹی اور آزاد ممبران کا ایک وفد غزہ جائے گا تاکہ وہ ظالمانہ حملہ کے مقابلہ کے لئے اہل غزہ کی مدد اور فلسطینی مجلس قانون ساز کے ارکان کو اپنا تعاون پیش کرے، جس کے ایک تہائی ارکان کو اسرائیل پہلے ہی قید کر چکا تھا۔ اور اب اس کی عمارت کو بھی مکمل طور پر تہس نہس کر دیا گیا ہے، ہمارا یہ مقصد بھی تھا کہ شہریوں اور شہری اداروں کو نشانہ بنا کر تباہی وبربادی کی کمیت وکیفیت کی صحیح معلومات حاصل کرکے بین الاقوامی مجلسوں میں صہیونی مجرمین جنگ کے خلاف قانونی اقدام کی تدبیر ہو، اور تعمیر نو کے منصوبوں میں ہماری طرف سے حصہ لینے کے امکانات کا اندازہ ہو جو بین الاقوامی تعمیر نو کی امداد کے منصوبوں سے الگ اس لئے کیا جائے کہ ان کی مدد میں مزاحمت ومزاحمت کاروں کے صفایا کی شرط موجود رہتی ہے۔ ہم گیارہ ممبران پارلیمان رفح گزرگاہ پہنچے، غزہ میں مذکورہ کاموں کے انجام دینے کے لئے اجازت چاہی، گزرگار کے دروازہ پر دو دن انتظار کرتے رہے، ذمہ دار ہم کو اندر نہ جانے دینے کا جواز فراہم کرنے سے قاصر تھے، ہماری پشت پر کوئی یوروپی سفارت بھی مدد کرنے کے لئے نہیں تھی جیسے کہ سوئزرلینڈ یونان، ناروے کی سفارتوں نے اپنے عالمی نمائندوں کو غزہ بھیجنے میں مدد دی۔ ہم کو غزہ میں داخل ہونے سے روکنے کی اس کے علاوہ کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی کہ مصری حکومت، فلسطینی مقتدرہ اور صہیونی وجود پر ایک غزہ کے سیاسی محاصرہ کو اہل مصر اور عرب بھائیوں کے لئے اتنی سختی سے لاگو کرنا چاہتے ہیں کہ کوئی اہل غزہ، ان کی حکومت اور ان کی مجلس قانون ساز کو کسی قسم کی مدد فراہم نہ کر سکے۔ وہاں رفح گزرگاہ کے دروازہ پر کھڑے یاد آیا کہ فلسطینی وزیر اعظم اسماعیل ہنیہ جب قاہرہ آئے تھے تو مصر کے سرکاری نظم ونسق نے ان کے استقبال سے انکار کر دیا تھا، وزیر خارجہ تک نہیں ملے تھے، صرف اتحاد الأطباء العرب نے ایک معمولی ہوٹل میں ان کے لئے ورکنگ ڈنر کا انتظام کیا تھا۔ اسی طرح جب فلسطینی وزیر خارجہ ڈاکٹر محمود الزہار آئے تو ان سے بھی قاہرہ میں کوئی مصری ذمہ دار نہ ملا، اسی دن صہیونی حملہ میں شہید ہونے والے ان کے فرزند اور داماد کی شہادت کی تعزیت بھی نہیں کی گئی۔ یہ سب کچھ مزاحمت کی بنیاد پر فلسطینی عوام کی منتخبہ حکومت کے سیاسی محاصرہ کے علاوہ اور کیا ہے؟

ہم رفح گزرگاہ کے دروازہ پر دو دن کھڑے رہے، وہاں امدادی سامان سے لدے دسیوں بڑے بڑے ٹرک کھڑے تھے، دوائیں لئے ہوئے دو یا تین لوگوں کے داخلہ کے لئے تھوڑی دیر دروازہ کھلا، ایک گاڑی اندر رہ گئی باقی ایک یا دو واپس کر دی گئیں اور دسیوں ٹرک باہر ہی کھڑے رہ گئے۔ پاکستان کے پروفیسر سرجنوں سے ملاقات ہوئی جو مکمل موبائل آپریشن تھیٹر ساتھ لائے تھے، مگر ان کو داخلہ کی اجازت نہ ملی۔ جنوبی افریقہ کی انجمنوں کے ذمہ داروں سے ملاقات ہوئی، انہوں نے بتایا کہ ہم تین دن سے کھڑے ہیں، نہ داخل ہو سکے نہ اندر امداد پہنچا سکے، اب اپنے ملک واپس چلے جائیں گے۔ عینی شاہدین نے بتایا: دوا کے علاوہ تیرہ دن سے ایک کلو گرام غذا بھی اندر نہیں جا سکی ہے، جب کہ فلسطینیوں کا کہنا ہے کہ اب ان کو دواؤں کی اتنی حاجت نہیں، جتنی شدید ضرورت غذا اور انسانی امداد کی ہے۔

حکمراں طبقہ کے نمائندوں کو دیکھا، فلم بنانے کی غرض سے کیمرے ساتھ لائے تھے اور ان کے سامنے بول رہے تھے: آج انہوں نے چھ سوٹن غذائی امداد غزہ میں بھیجی ہے، اور اس کے لئے وہ حکومت اور اس کے اداروں کے شکرگزار ہیں، جب کہ اس دن ہماری آنکھوں کے سامنے تین موٹروں کے علاوہ کوئی چیز داخل نہیں ہوئی تھی، جن میں سے دو واپس آ گئی تھیں۔ ایک ہی اندر گئی تھی۔

وہاں سے مایوس ہوکر العریش پہنچے تو وہاں حشر کا سماں تھا، وہاں کی سڑکیں اور میدان سب بڑے بڑے ٹرکوں اور لاریوں سے پٹے پڑے تھے، جن پر مختلف ممالک اور خود مصری ضلعوں سے آیا ہوا دسیوں ہزار ٹن امدادی سامان لدا ہوا تھا، اور ان کو گزشتہ ہفتوں میں اندر جانے سے منع کر دیا گیا تھا، گاڑیوں کا کرایہ چڑھ رہا تھا، غذائی سامان خراب ہو رہا تھا اور فقیر قوم کے پیسوں سے خریدی ہوئی امداد سے محتاج زیر حصار فلسطینی عوام محروم تھے! دو جرم بیک وقت ہو رہے تھے اور کوئی پرسان حال نہ تھا۔

(۱) شدید ضرورت کی حالت میں فلسطینی عوام کی امداد سے محرومی (۲) اور اقوام عالم کے مال کی بربادی! بعض لوگوں کا کہنا تھا کہ حکومت فلسطینیوں کو مجبور کر رہی ہے کہ وہ زبردستی مصری حدود میں داخل ہوکر ان کے لئے جمع کردہ مال پر قبضہ کریں جس سے ان کو محروم کیا جا رہا ہے۔ میں نے کہا: بلکہ ہمارا فرض ہے کہ دباؤ جاری رکھیں تاکہ رفح گزرگاہ کھولی جائے۔ ورنہ اپنے بھائیوں کے محاصرہ میں ہم بھی شامل شمار ہوں گے اور اپنے ہاتھوں اپنا مال برباد کرنے والوں میں سے ہوں گے جو ہم نے اپنے بھائیوں کو پیش کیا ہے، چندہ میں نہیں بلکہ ہمارے اوپر ان کی ذمہ داری کا کم سے کم حصہ ادا کرنے کے لئے جس کی حیثیت اس وقت فرض وواجب کی ہے۔

اس وقت جب کہ ہم غزہ پر ظالمانہ حملہ کے سلسلہ میں تساہل وغفلت اور عرب قومی سطح پر تراجع کے سلسلے میں مصری حکومت پر تنقید کر رہے ہیں جس نے "مصر اوّل وآخر" کو اپنا شعار بنا لیا ہے، اس وقت ہم سیاستدانوں اور اہل قلم کے ایسے دستہ کے سامنے ہیں جو الٹے ہم پر حملہ کر رہا ہے۔ اور دھمکی دے رہا ہے کہ ہم مصر کے ساتھ بدخواہی کر رہے ہیں اور برائی کے نئے محور (ایران، سیریا، حزب اللہ، حماس، الجزیرہ (قطر) ترکی، موریتانیا وونزویلا، عرب مسلم بلکہ وہ یوروپی اقوام بھی جو غزہ پر حملہ اور اس کے مؤیدین کے خلاف ہیں) کا حصہ بن گئے ہیں۔

عجیب بات یہ ہے کہ ان کے نزدیک مصر کے بدخواہ وہ نہیں ہیں کہ جنہوں نے بھائی چارہ اور انسانیت کے خلاف اپنی غیر ذمہ دارانہ حرکتوں سے مصری، عربی اور بین الاقوامی رائے عامہ کو ناراض کیا، بلکہ ان کے نزدیک گنہگار وہ ہیں جو ان غلطیوں کی تصحیح کی ضرورت کی طرف توجہ دلا رہے ہیں۔

(ہفت روزہ الامان، بیروت)

کرزئی کا صدارت چھوڑنے سے انکار

افغان صدر حامد کرزئی نے کہا ہے کہ وہ الیکشن کمیشن کے فیصلے کو تسلیم کرتے ہیں لیکن وہ صدارت کے عہدے کی معیاد کے خاتمے کے باوجود اگست میں انتخابات تک اپنے عہدے پر قائم رہیں گے۔

افغان صدر چاہتے تھے کہ افغانستان میں انتخابات کا انعقاد اپریل میں ہو لیکن الیکشن کمیشن نے فیصلہ دیا ہے کہ ملک میں امن عامہ کی صورتحال ایسی نہیں ہے کہ اپریل میں انتخابات ہوسکیں۔ حامد کرزئی کے عہدہ صدارت کی معیاد اکیس مئی کو ختم ہو رہی ہے۔ افغان صدر کا کہنا ہے کہ وہ نئے انتخابات تک عہدہ صدارت سے علیحدہ نہیں ہوں گے۔ حامد کرزئی نے کہا ہے کہ وہ الیکشن کمیشن کے فیصلے کو مانتے ہیں اور انتخابات کے انعقاد تک عہدہ صدارت پر براجمان رہیں گے۔

افغانستان میں بی بی سی کے نامہ نگار این پینل کا کہنا ہے کہ صدر کرزئی کی طرف سے عہدۂ صدارت کے خاتمے کے باوجود صدارت کی کرسی نہ چھوڑنے کے اعلان ان پر شدید تنقید کی وجہ بنے گا۔ افغانستان کے آئین میں عبوری دور میں اقتدار کی شکل واضح نہیں ہے۔

صدر حامد کرزئی کے حریف عبوری حکومت کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ حامد کرزئی عبوری حکومت کے مخالف ہیں اور انتخاب تک عہدۂ صدارت کو اپنے پاس ہی رکھنا چاہتے ہیں۔ امریکہ نے اگست میں انتخابات کی حمایت کی ہے اور کہا ہے کہ اس وقت سترہ ہزار اضافی فوجی بھی افغانستان میں پہنچ چکے ہوں گے جس سے امن عامہ کی صورتحال کو بہتر بنانے میں مدد مل سکتی ہے۔

امریکہ افغانستان میں جیت نہیں رہا/ اوبامہ

امریکی صدر بارک اوبامہ نے کہا ہے کہ امریکہ افغانستان میں جنگ جیت نہیں رہا ہے اور افغانستان کے حالات عراق سے زیادہ پیچیدہ ہیں۔ امریکی اخبار نیویارک ٹائمز کو دیے گئے انٹرویو میں امریکی صدر بارک اوباما نے امکان ظاہر کیا ہے کہ افغانستان میں مصالحتی عمل کے تحت طالبان جنگجوؤں کے معتدل عناصر سے مذاکرات کئے جاسکتے ہیں۔ بارک اوباما کے مطابق عراق میں کچھ سخت گیر اسلام پسند صرف اس لئے حکام سے تعاون پر راغب ہو گئے کہ القاعدہ کے ہتھکنڈوں کی وجہ وہ الگ تھلگ ہو گئے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ ایسے ہی امکانات افغانستان اور پاکستان کے علاقوں میں بھی ہوسکتے ہیں لیکن ان علاقوں میں صورتحال زیادہ پیچیدہ ہے۔ انہوں نے کہا کہ آزاد منش افغان قبائل امریکہ کے لئے ایک بڑا چیلنج ہیں۔ اس سوال پر کہ کیا امریکہ کو افغانستان میں فتح حاصل ہو رہی ہے، امریکی صدر کا جواب نفی میں تھا۔ امریکی صدر بارک اوبامہ نے کہا کہ ان کے مشیر افغانستان پالیسی کا از سرنو جائزہ لے رہے ہیں اور ان طریقوں پر غور کر رہے ہیں جن کو بروئے کار لا کر امریکہ عراق میں امن بحال کرنے میں کامیاب ہوا ہے۔ بارک اوبامہ صدارت کا عہدہ سنبھالنے کے بعد افغانستان میں سترہ ہزار مزید فوجی افغانستان بھیجنے کا حکم دیا ہے۔ بارک اوبامہ نے اپنی انتخابی مہم کے دوران کہا تھا کہ امریکہ کو عراق کی بجائے اپنی ساری توجہ افغانستان پر مرکوز کرنی چاہئے۔

تعلیمی بل 2008

عبدالباری مومن، بھیونڈی

بچوں کے لیے مفت اور لازمی تعلیم کا مجوزہ قانون 2008 پارلیمنٹ میں پیش کر دیا گیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا اسے موجودہ شکل میں پاس ہو جانا چاہیے یا اس میں کسی تبدیلی کی ضرورت ہے۔ کیا اس قدر عوامی اہمیت کے حامل بل پر عوامی مباحثہ نہیں ہونا چاہیے۔ متعلقہ وزارت اس موڈ میں معلوم ہوتی ہے کہ اس کو بغیر مباحثہ کے پاس کر دیا جائے۔ اس میں کوئی ترمیم بھی نہ ہو۔ حالاں کہ بل اس قدر اہمیت کا حامل ہے کہ اس کے اثرات مستقبل بعید تک چھ تا چودہ سال کی عمر کے بچوں پر پڑنے والے ہیں۔ یہ بچے ہمارا سرمایہ ہیں اور ہماری آبادی کا ایک عظیم حصہ بھی۔ عوام سے اس بل کے بارے میں کوئی رائے طلب نہیں کی گئی۔ نہ صرف عام آدمی بلکہ سیاست داں، اکثر ماہرین تعلیم اور بیوروکریٹ تک اس کے مندرجات سے بے خبر ہیں۔ اس بل کو پاس کرنے میں جو جلدی کی جا رہی ہے اس نے ذہنوں میں کئی شکوک و شبہات کو جنم دیا ہے۔ یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ اس بل کے پاس ہو جانے کے بعد ہندوستان کی تعلیمی تاریخ ایک نیا موڑ لے لے گی۔ 2002 میں دستور میں 86 ویں ترمیم کے نتیجے میں ابتدائی تعلیم کو بنیادی حقوق میں شامل کیا گیا۔ دستور ساز اسمبلی میں بھی یہ بات زیر بحث آئی تھی کہ تعلیم کو بنیادی حقوق میں شامل کیا جائے۔ لیکن بوجوہ ایسا نہیں کیا جا سکا۔ البتہ یہ بات تسلیم کی گئی کہ جب تک تعلیم عام نہیں ہوگی ہندوستان کی جمہوریت اپنے مقاصد کے حصول میں کامیاب نہیں ہو سکے گی۔

2008 کے اس تعلیمی بل پر نگاہ ڈالنے سے اس بات پر مشکل ہی سے یقین آئے گا کہ اس بل کے ذریعہ مطلوبہ مقاصد حاصل کیے جاسکتے ہیں۔ اکثر اوقات جمہوریت میں قانون سازی کے وقت چھوٹی چھوٹی باتوں پر حد سے زیادہ توجہ دی جاتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ جمہوریت میں ہر طرح کا غور وفکر ضروری ہے۔ لیکن بنیادی باتوں کو نظر انداز کر دینا اور صرف معمولی باتوں پر بحث کرنا کسی طرح کی عقل مندی نہیں ہے۔ بنیادی باتوں کو نظر انداز کر دینے کے نتیجے میں بل کی شکل وصورت کچھ اس طرح کی بن جاتی ہے جس میں ہر پارٹی کے مفاد کا خیال تو رکھنے کوشش کی جاتی ہے لیکن درحقیقت وہ کسی کا بھی مقصد پورا نہیں کر پاتا۔ 2005 کے تعلیمی بل کا بھی یہی حال ہوا تھا اور شاید اب 2008 کے اس تعلیمی بل کا بھی یہی حشر ہونے جا رہا ہے۔

اس بل میں اسکول قائم کرنے اور داخلہ لینے والے طلبہ کی تعداد کے بارے میں تو کئی نکات شامل ہیں لیکن طلبہ کی حاضری کے تیقن کے بارے میں بل خاموش ہے۔ نجی اداروں اور خود حکومت کے ذریعے کرائے گئے سروے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مجوزہ عمر کے گروپ یعنی چھ تا چودہ سال کے بچوں کی 95 فی صد تعداد اسکولوں میں داخلہ تو لیتی ہے لیکن پہلی تا پانچویں کلاس میں ان کی حاضری کا تناسب 68 فی صد سے زیادہ اور چھٹی تا آٹھویں کلاس میں ان کی حاضری کا تناسب 75 فی صد سے زیادہ نہیں بڑھ پاتا۔ ایسے طلبہ کا فی صد کیا ہے جو داخلہ لینے کے بعد بھی اسکول نہیں آتے وہ ابھی تک معلوم نہیں ہوسکا۔ یہ بل ان بچوں کے بارے میں بھی خاموش ہے جن کو ابتدائی تعلیم کی سب سے زیادہ ضرورت ہے۔ یعنی فٹ پاتھ پر رہنے والے بچے، بھکاری یا وہ جو اسکول سے بھاگ جاتے ہیں۔ اس بل میں ساری توجہ کیفیت کی بجائے کمیت پر دی گئی ہے۔ اساتذہ کے فرائض کا ذکر تو ہے لیکن اس بات کا ذکر نہیں ہے کہ فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی کرنے پر ان کا احتساب کس طرح کیا جائے گا۔ اساتذہ اسکول میں حاضر ہیں۔ وہ کلاس میں بھی گئے۔ لیکن انہوں نے کیا اور کس طرح پڑھایا۔ پڑھایا بھی یا نہیں۔ اس کی جانچ کا کوئی پیمانہ مقرر نہیں کیا گیا۔ یہ حال تو آج بھی اکثر سرکاری مدارس کا ہے۔ پھر اس نئے بل سے کیا فرق پڑے گا۔

زیادہ تر ماہرین تعلیم اس بات پر متفق ہیں کہ بچوں کی تعلیمی بنیاد تین تا چھ سال کی عمر میں پڑ چکی ہوتی ہے۔ لیکن بل میں اس بات کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ اور صرف 6 تا 14 سال کی عمر میں ہی تعلیم کو لازمی قرار دے کر اسے بنیادی حقوق میں شامل کیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں آئین کی 86 ویں ترمیم خود قابل توجہ اور نظر ثانی کی محتاج ہے۔ ہندوستانی حکومت اقوام متحدہ کے بچوں کے حقوق کے کنونشن پر دستخط کرنے والوں میں شامل ہے۔ اور اس کنونشن کے تحت 18 سال سے کم عمر کے افراد بچے کی تعریف میں شامل ہیں۔ چنانچہ حقیقتاً تو حکومت کو 6 سال سے نہیں بلکہ ابتدائی عمر سے لے کر 18 سال کی عمر تک کی تعلیم کو بنیادی حقوق میں شامل کرنا چاہیے۔ تب ہی اس کے کنونشن پر دستخط کرنے کا مقصد حاصل ہوگا۔ اس بل میں یہ فرض کر لیا گیا ہے کہ اگر بچوں کے گھروں کے نزدیک سرکاری اسکول قائم کر دیے جائیں اور ان میں ٹرینڈ اساتذہ کا تقرر کر دیا جائے تو لازمی طور پر طلبہ کو تعلیم حاصل ہو جائے گی۔ یہ حالت آج کل سارے ملک کی ہے۔ خصوصاً ممبئی اور دہلی میں تو ایسا ہی ہے۔ لیکن کیا واقعی ان اسکولوں میں بچوں کو تعلیم حاصل ہو رہی ہے۔ کون نہیں جانتا کہ سرکاری پرائمری اسکولوں میں تعلیم کا معیار کتنا گھٹیا ہے۔

اس بل میں یہ طے کیا گیا ہے کہ آٹھویں جماعت تک کسی طالب علم کو فیل نہیں کیا جائے گا۔ یہ طریقہ تو آج بھی بہت سی ریاستوں میں پانچویں یا کم از کم چوتھی جماعت تک کے طلبہ کے لیے جاری ہے۔ حکومت اس طریقے کو آٹھویں جماعت تک بڑھانا چاہتی ہے۔ ٹھیک ہے۔ لیکن اس بات کی جانچ کا تو کوئی انتظام ہونا چاہیے کہ اس جماعت تک پہنچنے پر طلبہ کے اندر جو بنیادی صلاحتیں پیدا ہونی چاہئیں وہ پیدا ہوئیں یا نہیں۔ اگر بچے میں وہ بنیادی صلاحتیں پیدا نہیں ہوسکی ہیں تو پھر اس کا کیا علاج کیا جائے گا۔ اس بارے میں بل بالکل خاموش ہے۔ خود حکومت کے اور نجی ذرائع سے کیے گئے سروے سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ پانچویں کلاس پاس کرنے والے تقریباً 50 فی صد طلبہ ایسے ہیں جن میں دوسری جماعت کی بنیادی صلاحیت بھی پیدا نہیں ہوسکی ہے۔ تعلیم کے اس انتہائی پست معیار کے باوجود بل میں اس بات کا کوئی تذکرہ نہیں ہے کہ معیار تعلیم کو جانچنے اور اس کو قائم رکھنے کے لیے یا بڑھانے کے لیے کوئی ایجنسی مقرر کی جا رہی ہے یا نہیں۔ بل میں اسکول کے قیام کا شیڈول موجود ہے۔ نصاب کے لیے رہنما خطوط دیے گئے ہیں۔ اساتذہ کی تعلیمی قابلیت کے پیمانے موجود ہیں لیکن اس بل میں اس بات کا کوئی ذکر نہیں ہے بچہ کو کم سے کم کتنی صلاحیت حاصل ہو جائے کہ اسے تعلیم یافتہ کہا جا سکے۔

سالانہ تعلیمی سروے سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ طلبہ 2008 میں اس معیار پر نہیں ہیں جہاں وہ 2005 میں تھے۔ آٹھویں کلاس کے تقریباً 44 فی صد طلبہ آسان کہانیاں پڑھ سکتے تھے جب کہ 2008 میں ان کا تناسب صرف 41 فی صد رہ گیا۔ اسی طرح یہ بات بھی سامنے آئی کہ ان میں سے تقریباً 31 فی صد طلبہ 2005 میں آسان تقسیم کے حسابات حل کر سکتے تھے۔ جب کہ 2008 میں ان کا تناسب گھٹ کر 28 فی صد رہ گیا۔ اگر بچوں کو فیل کرنے کا نظام ختم کر دیا گیا تو کیا یہ مسئلہ اور بھی پیچیدہ نہیں ہو جائے گا۔ اس طرح اصل پڑھائی کے عمل کو نویں اور دسویں جماعتوں پر ڈال دیا گیا ہے۔ جب کہ دستوری طور پر آٹھویں جماعت تک تعلیم بنیادی حقوق میں شامل ہے۔

بل میں کہا گیا ہے کہ اول تا پنجم جماعتوں میں ہر 60 طلبہ پر دو اساتذہ اور 90 طلبہ پر تین اساتذہ اس طرح آگے بھی استاذ مقرر کیے جائیں گے۔ لیکن اس بات کو نظر انداز کر دیا گیا ہے کہ اگر یہ طلبہ مختلف درجات سے تعلق رکھنے والے ہوں تب ہر جماعت کے لیے الگ الگ اساتذہ کا تقرر ہوگا۔ مثلاً اس اصول کے مطابق اگر کسی اسکول میں طلبہ کی تعداد صرف 60 ہو جب کہ وہ چار درجات میں بٹے ہوئے ہوں تب بھی ان کو صرف دو اساتذہ ہی پڑھائیں گے۔ یعنی ایک ٹیچر کو دو کلاسیں پڑھانی ہوں گی۔ حکومت دسویں اور بارہویں جماعتوں کے امتحانات خود نہیں لیتی۔ ان کے لیے بورڈ قائم کیے گئے ہیں۔ لیکن دوسری طرف جن بچوں کی تعلیم کا خود اس نے انتظام کیا ہے یعنی پہلی سے آٹھویں تک ان کو سرٹیفکیٹ دینے کا کوئی نظم اس کے یہاں موجود نہیں ہے۔ کیا اس کی ضرورت نہیں ہے۔ اسکولوں کی منظوری کا عمل کتنا شفاف ہوگا یہ بات بھی بل میں کہیں موجود نہیں ہے۔ حکومت نے اس بات کا لحاظ رکھا ہے کہ ایسے اسکول جن کو گرانٹ نہیں ملتی لیکن ان کے یہاں کم از کم 25 فی صد بچے معاشی طور سے کمزور طبقات سے آتے ہیں ان کو فی بچہ خرچ دے گی۔ لیکن یہ خرچ کن بنیادوں پر محسوب کیا جائے گا اس کا تذکرہ بل میں نہیں ہے۔ مختصر طور سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس بل سے صرف اس بات کا تیقن حاصل ہوتا ہے کہ پرائمری سطح پر ہر بچے کو اسکول میں داخلے کی ضمانت حاصل ہوگی۔ لیکن ان کی تعلیم کے معیار کی کوئی ضمانت ان کو حاصل نہیں ہوگی۔ بلکہ یہ ضمانت بھی حاصل نہیں ہوگی کہ واقعی ان کو تعلیم ملے گی۔ ●●

تشدد کے عمومی اسباب، محرکات اور سدباب

قلب عباس نجفی

جس طرح عالمی طور پر بڑھتا ہوا درجہ حرارت انسانی زندگی کے لئے مشکلات کا پیش خیمہ ثابت ہو رہا ہے۔ اسی طرح انسانی نفسیات میں شامل انتہا پسندانہ رجحانات ومیلانات بھی انسانی زندگی کے لئے سازگار ماحول کو مشکل تر بنا رہے ہیں۔

مذہب درحقیقت، تہذیب وتمدن کو فروغ دینے کا ذریعہ ہے۔ لیکن جب یہی مذہب جہل پرستوں کے ہاتھوں میں آجاتا ہے تو یہ تہذیب وتمدن کا دشمن بن جاتا ہے۔ مذہبی انتہا پسندی دور حاضر میں ایک عفریت کی شکل میں ظاہر ہو رہی ہے۔ دنیا کے تقریباً تمام مذاہب کے ماننے والوں میں ایسے افراد موجود ہیں جو اپنی حقیقی تعلیمات سے انحراف کرتے ہوئے جبر وتشدد کے زبردست مدعی بن گئے ہیں۔ بات عبادت گاہوں کو جلانے کی ہو یا کسی مذہب کے ماننے والوں کو صفحہ ہستی سے مٹانے کی ہم ان دونوں معاملات میں انتہا پسندانہ رجحانات کو دیکھ رہے ہیں۔

مسئلہ اسلامی انتہا پسندی کا ہو یا ہندو انتہا پسندی کا، عیسائی انتہا پسندی کا ہو یا یہودی انتہا پسندی کا مسئلہ بہرحال مسئلہ ہے۔ مذہبی انتہا پسندی درحقیقت جہت سے نفرت کی پیداوار ہے۔ جب مختلف مذاہب کے ماننے والے اپنے عقیدے کی بنیاد محبت کے بجائے نفرت پر رکھتے ہیں۔ تو یہ بنیاد انہیں مذہب سے کوسوں دور کر دیتی ہے۔ اس لئے عقیدے کی بنیاد محبت پر ہونی چاہئے۔

دور حاضر میں پوری دنیا مذہبی انتہا پسندی کی لپیٹ میں ہے۔ جو دنیا کو راہ حق سے دور رکھنے کی ایک سوچی سمجھی سازش ہے۔ اور اس سازش کے تحت انتہا پسندوں اور دہشت گردوں پر اسلام کا لیبل لگا کر مسلمان ظاہر کیا جاتا ہے۔ جب کہ ان کا مذہب اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ اسلام جو امن وسلامتی کا پیغام دیتا ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ وہی دین کسی کو بے گناہ خاک وخون میں غلطاں کرنے کی اجازت دے۔ اس کی واضح دلیل کتاب مقدس قرآن مجید میں ملتی ہے کہ "جو بھی کسی انسان کو بغیر کسی جرم کے قتل کرے تو گویا اس نے پوری انسانیت کو قتل کیا۔"

آج جبر وتشدد، دہشت گردی، مذہبی انتہا پسندی اور خودکش حملے ہماری زندگی کا خاصہ بن چکے ہیں۔ لڑائی جھگڑا، ہاتھاپائی، مار پیٹ، جلاؤ گھیراؤ، لاٹھی چارج یہ تمام الفاظ ہماری زبان کا عمومی حصہ بن چکے ہیں۔ یہ بات بھی درست ہے کہ انسان اپنے اندر حس جارحیت رکھتا ہے۔ لیکن اس حس جارحیت کا اظہار خودکش حملے یا تشدد کے ذریعہ کرنا انسانیت کی توہین ہے۔ ان تمام چیزوں کے پیچھے چند اسباب ہیں۔ جو انسان کو ایسے افعال انجام دینے پر مجبور کرتے ہیں۔

(۱) پہلا سبب جس کی وجہ سے معاشرہ تشدد کا شکار ہوتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ جب ہماری فکری، ذہنی اور تعمیراتی صلاحیتیں ناکام ہوکر رہ جاتی ہیں۔ وہاں سے تشدد کا عمل شروع ہوتا ہے۔

(۲) دوسرا سبب تعلیم وتربیت کا فقدان ہے۔ جو قوموں کی تباہی اور انتشار کا موجب بنتا ہے۔ جس معاشرے کے افراد سے کتاب وقلم چھین لئے جائیں، تعلیمی اداروں میں کتاب خدا کی تعلیم کے بجائے جنگ کی تربیت دی جائے تو معاشرے میں ظلم وتشدد نہ ہوتو اور کیا ہوگا۔ کیونکہ جب بھی قومیں، زوال، تشدد اور دہشت گردی کا شکار ہوئی ہیں تو تعلیم وتربیت کے فقدان کا اس میں بڑا حصہ رہا ہے۔ امام خمینیؒ نے فرمایا کہ "جس چیز نے اسلام کو سب سے زیادہ نقصان پہنچایا، وہ تعلیم وتربیت کا فقدان ہے۔"

(۳) تیسرا سبب اقتصادی ناانصافی ہے۔ کسی بھی معاشرے میں دولت کی غیر منصفانہ تقسیم ہو۔ امیر، امیر ہو جائے، غریب غربت کی چکی میں پس جائے، معاشرے میں کھانے کو روٹی نہ ملے، تن، ڈھانپنے کو کپڑا میسر نہ ہو تو وہ معاشرہ تفریق کا شکار ہوتا ہے جب کہ تفریق تشدد کی پہلی سیڑھی ہے اور اس کا سدباب اسی وقت ممکن ہے جب معاشرے میں دولت کی منصفانہ تقسیم ہو۔ اور اس نفرت انگیز مذہبی انتہا پسندی کا خاتمہ صرف اور صرف علم ہی کے نور سے ممکن ہے۔ جو کسی دور میں حضرت ابراہیمؑ نے پیش کیا تھا۔ اور کسی وقت میں حضرت عیسیٰؑ نے پیش کیا تھا۔ تو کبھی پیغمبر خدا محمد مصطفیٰؐ یعنی سبب تخلیق کائنات نے ابدی اور جاودانی پیغام علم وحق دنیا کو دیا۔ ان تمام برگزیدہ ہستیوں کی زندگیاں ہمارے سامنے انسان دوستی کی زندہ تصویریں ہیں۔

یقیناً آج مسلمان اگر متحد ہوکر ایک پرچم کے سائے تلے جمع ہو جائیں اور دنیا میں علم کے نور سے ظلم کی تاریکیوں کو دور کر دیں۔ تو بعید نہیں کہ دنیا سے تشدد کا خاتمہ ہو۔ اور وہ وقت دور نہیں کہ ایک مرتبہ پھر دنیا میں جنگ خیبر کی یاد تازہ ہو جائے۔ اور قبلہ اول بیت المقدس صہیونیت کی زنجیروں سے آزاد ہو۔ آج حزب اللہ اور حماس کے مجاہدین نے شیعہ، سنی تفرقے کو ختم کر کے دنیا پر یہ واضح کر دیا کہ اتحاد امت مسلمہ ہی بیت المقدس کی آزادی کا بہترین حل ہے۔ حالیہ دنوں میں جب اسرائیل کی جانب سے غزہ کے مسلمانوں کے ساتھ انسانیت کشی کا جو تضحیک آمیز رویہ اختیار کیا گیا جس میں سینکڑوں بے گناہ افراد کو موت کی نیند سلا دیا گیا اور ہزاروں افراد زخمی وبے گھر ہو گئے تو اس وقت آیت اللہ سید علی خامنہ ای نے بغیر کسی شیعہ سنی تفرقے کے یہ اعلان کیا کہ "جو بھی حماس کا دفاع کرتے ہوئے اس دنیا سے چلا جائے وہ شہید ہے اور قیامت کے دن بدر واحد کے شہداء کے ساتھ محشور ہوگا۔" ●●

این ڈی اے کا وجود خطرے میں؟

نئی دہلی- مغربی بنگال میں ترنمول کانگریس، آندھرا پردیش میں تلگو دیشم اور تملناڈو میں اے آئی اے ڈی ایم کے ساتھ بی جے پی کا اتحاد ختم ہونے کے بعد تین اور ریاستوں میں این ڈی اے کا وجود خطرے میں نظر آ رہا ہے۔ کندھمال میں عیسائیوں پر حملے سے ناراض حکمراں، بیجو جنتا دل نے بی جے پی کے ساتھ گیارہ سال کی دوستی ختم کرنے کا اعلان کر دیا، جوابی کارروائی کرتے ہوئے بی جے پی نے بھی ریاست کی نوین پٹنایک حکومت سے حمایت واپس لے کر وہاں صدر راج کے نفاذ کا مطالبہ کر دیا ہے۔ ویسے بھی ریاست میں لوک سبھا کے ساتھ اسمبلی انتخابات ہونے والے ہیں۔ ادھر بی جے پی نے وزارت عظمیٰ کے لئے مراٹھا مانس کے شیو سینا سپریمو کو دیکھتے ہوئے مہاراشٹر میں لوک سبھا انتخابات کے لئے نشستوں کی تقسیم کے مسئلے پر بات چیت خود ہی بند کر دی، پارٹی نے شیوسینا سے کہا ہے کہ پہلے وہ یہ طے کرے کہ اسے پی ایم کے نام پر ایل کے آڈوانی کے ساتھ جانا ہے یا شرد پوار کے ساتھ۔ بہار میں بھی لوک سبھا انتخابات کے لئے نشستوں کی تقسیم پر جنتا دل متحدہ اور بی جے پی کے درمیان شدید اختلاف پیدا ہو گیا ہے۔

خواتین کا تحفظ: سماج اور قانون

ڈاکٹر ظفر محمود

خواتین کی آزادی، خواتین کے حقوق اور خواتین کی بہبود کے بلند بانگ دعووں والے اس زمانے میں خواتین کے خلاف جرائم بجائے گھٹنے کے بڑھتے ہی جارہے ہیں۔ عصمت دری، جنسی بلیک میلنگ چھیڑ چھاڑ اور خانگی تشدد معمول کی باتیں بن گئی ہیں اور عام لوگ ان باتوں کے گویا عادی ہوتے جارہے ہیں۔ چنانچہ اس صورت حال پر بے چینی یا پریشانی کی کوئی خاص کیفیت معاشرتی سطح پر نہیں دیکھی جارہی ہے۔ یہ بجائے خود ایک تشویشناک بات ہے، کیوں کہ برائی اور جرائم کے خلاف ردعمل کی سطح جتنی کم ہوگی اتنا ہی ان میں اضافہ ہوگا اور ہم روشن خیالی، جدیدیت اور ترقی پسندی کے تمام دعووں کے باوجود معاشرتی انحطاط کی طرف جاتے رہیں گے۔

گزشتہ دنوں شری رام سینا کے غنڈوں نے ایک پب پر حملہ کرکے وہاں موجود عورتوں اور لڑکیوں کی پٹائی کی تو اس معاملے کا تو بڑا نوٹس لیا گیا۔ ہر سطح پر اس کا ردعمل ہوا۔ لیکن ایسا ردعمل کسی خاتون کی عصمت دری، اس کے جنسی استحصال یا اس کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کرنے جیسے، جسمانی، ذہنی اور جذباتی طور پر تکلیف دہ واقعات پر دیکھنے میں نہیں آتا۔ خبر اگر بنتی بھی ہے تو معاملے کی سنسنی خیزی کے پہلو سے اہم سمجھی جاتی ہے یا ٹی آر پی اور ریڈر شپ کی سطح کو اوپر لے جانے کے لئے لذت آمیز منظر نگاری کی جاتی ہے۔ یعنی مظلوم عورت کے ساتھ ہونے والی زیادتی، اس کی رسوائی اور اس کو پہنچنے والی جسمانی، روحانی، جذباتی اور نفسیاتی اذیت کو لے کر انتظامیہ، میڈیا اور سماج میں زیادہ شور نہیں مچتا۔ یہ بات اس طرح کے معاملوں کے تئیں سماج میں پیدا ہونے والی بے حسی اور بے نیازی کی علامت ہے۔

سوال یہ ہے کہ یہ بے نیازی اور بے حسی سماج میں کیوں پنپ رہی ہے۔ یہ کہنا غالباً غلط نہ ہوگا کہ اس کا تعلق کہیں نہ کہیں اس ذہنیت سے ہے جو عورتوں کو پب میں، ڈانس کلبوں میں اور حسن کے مقابلوں میں دیکھنا چاہتی ہے۔ یعنی عورت کی جنسی کشش ہی جس کے لئے سب کچھ ہے۔ جس کے نزدیک عورت سب سے پہلے ایک جنسی شے ہے اور لذت اندوزی ہی اس کا اصل مصرف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عورتوں کے ساتھ ہونے والی جنسی زیادتیوں کے واقعات مرد سماج کے لئے تشویش اور تکلیف کا سبب ہونے سے زیادہ ہنسی مذاق اور تفریحی تذکرے کا موضوع بننے لگے ہیں۔ پولس بھی ان واقعات کو خطرناک جرم کے طور پر نہیں لیتی اور میڈیا کے لئے بھی یہ محض تفریحی پیش کش کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔ میڈیا ان کی خبر نگاری کو دل چسپ انداز میں پیش کرکے اپنے ناظرین یا قارئین کو خوش کرنے کی ہی کوشش کرتا ہے۔

عورتوں کے تئیں سماج میں پنپ رہے اس رویے کی وجہ پر جب غور کرتے ہیں تو یہ سمجھ میں آتا ہے کہ سماج پر مذہبی تعلیمات و اخلاقیات کا اثر کم ہوجانے سے یہ صورت حال پیدا ہوئی ہے۔ کیوں کہ مذہبی تعلیمات کے زیر اثر سماجوں میں عورتوں کو عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا رہا ہے۔ آج بھی جن سماجوں میں مذہبی تعلیمات اور اقدار کی پکڑ ہے وہاں عورتوں کی نسوانیت کا احترام، نام نہاد روشن خیال جدید تہذیب والے سماجوں سے زیادہ پایا جاتا ہے اور عورتوں پر جنسی حملوں کے واقعات کے تعلق سے وہ زیادہ حساس ہیں۔

کہا جاتا ہے قدیم ہندستان میں ویدک تعلیمات کے زیر اثر عورتوں کو دوسرے ملکوں کی بہ نسبت زیادہ احترام حاصل تھا۔ اور انہیں دیوی کا درجہ حاصل تھا۔ منو اسمرتی میں کہا گیا ہے: ”جس گھر میں عورت کی پوجا ہوتی ہے، وہاں بھگوان نواس کرتے ہیں۔ اور جن گھروں میں عورتوں کو حقیر سمجھا جاتا ہے، وہاں اصلاح کی ہر کوشش بے کار ہوجاتی ہے۔“ (منو اسمرتی ۳۔۵۶)

بیشتر مذہبی قوانین میں زنا اور عصمت دری کی سزا بہت سخت رکھی گئی ہے۔ بائبل کے مطابق عصمت دری کی سزا موت ہے۔ (ایکسوڈس ۱۴:۲۰، ڈیوٹرونومی ۲۲:۲۲) یہودیوں کے مذہبی صحیفہ میں عصمت دری یا زنا کے مجرم کو بر سر عام سنگسار کرکے ہلاک کردینے کی سزا ہے۔ (جیوش مشنہ ۱۱۔۱، ۷)

قرآن کریم میں زانیوں اور عصمت دری کے مجرموں کو سر عام ۱۰۰ کوڑے مارنے کی سزا مقرر کی گئی ہے، اور اس معاملے میں کوئی نرمی یا رحم دلی دکھانے سے منع کیا گیا ہے۔ (سورہ نور، آیت: ۱، ۲) حدیث اور سنت سے یہ بھی ثابت ہے کہ اگر خاطی شادی شدہ ہوں گے تو انہیں بر سر عام سنگسار کردیا جائیگا۔ اتنا ہی نہیں، بلکہ قرآن نے ایسے مجرموں کو مزید یہ سزا دی ہے کہ انہیں اپنے جیسے بدکردار کے علاوہ کسی دوسرے سے نکاح کرنے سے روک دیا ہے۔ (نور، آیت: ۳)

یوں تو جدید قانونوں میں بھی عورتوں کی عزت اور ان کی عصمت کی حفاظت کو یقینی بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ جنیوا کنونشن کے پروٹوکول میں عورتوں کو لائق احترام قرار دیا گیا ہے اور ان کی عصمت ریزی یا کسی بھی طرح جارحیت سے ان کی حفاظت کا بندوبست کرنے کو کہا گیا ہے۔ چنانچہ دستور ہند کی دفعہ ۲۱ عورت و مرد، ہر شخص کی شخصی آزادی اور زندگی کے تحفظ کے حق کی ضمانت دیتی ہے۔ سی آر پی سی میں عصمت دری سے متعلق قانون کو موثر بنانے کے لئے یہ بندوبست کیا گیا ہے کہ مقدمات کو بغیر کسی التوا کے جلد سے جلد نمٹایا جائیگا۔ متاثرہ خاتون کو تفتیش کے لئے پولس تھانے نہیں جانا پڑے گا بلکہ تفتیشی افسر خاتون کے گھر پر یا اس کی مرضی کی کسی جگہ اس سے پوچھ تاچھ کریگا۔ مقدمہ کی ساعت حتی الامکان خاتون جج کریں گی۔ خواتین کو آوازوں، فقروں اور اشاروں کنایوں سے بھی اذیت دینے کی سزا انڈین پینل کوڈ میں ہے۔ لیکن یہ قوانین اپنی کوئی اخلاقی قوت نہیں رکھتے۔ وہ قوت جو جرم سے نفرت پیدا کرے۔ جو جرم کو گناہ اور پاپ بنا کر انسان کے ضمیر پر بھاری کردے۔ جدید تہذیب میں تو جنسیت اور شہوت کو بے روک ٹوک بڑھاوا مل رہا ہے۔ لوگوں کی تربیت کرنے اور جنسیت وشہوت کو قابو میں رکھنے کی صلاحیت پیدا کرنے کے بجائے، اسے بھڑکانے اور پابندیوں وتحدیدات سے آزاد کرنے پر زور دیا جارہا ہے۔

لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ معاشرے کی اخلاقی تربیت کی جائے اور اخلاقی داعیہ پیدا کرنے میں سب سے موثر قوت مذاہب کی قوت ہے۔ مذہبی تعلیمات میں گناہ اور پاپ کا جو تصور ہے وہ انسانوں کو جرائم اور غلط کاریوں سے روکتا ہے۔ اسی کے ساتھ یہ ضروری ہے کہ عورتوں کے تئیں ایک ذمہ دارانہ سوچ سماج میں پنپے۔ اور ان کے تئیں ذہنی رویہ درست کیا جائے۔ عورت محض ایک جنسی وجود نہیں ہے، وہ ایک مکمل شخصیت کی مالک ہے۔ اس کے اندر جذبات اور احساسات ہیں۔ سماج میں اس کے متعدد رول ہیں۔ اس کا ایک سماجی کردار ہے۔ وہ نسلوں کو پالنے، پوسنے اور تربیت کرنے کے اہم ترین فریضے کی حامل ہے۔ مرد سماج اس کی ممتا، اس کی شفقت، اس کی رحم دلی، اس کی مہربان فطرت، اس کے ایثار اور اس کی محبت کا مرہون منت ہے۔ اپنی مکمل شخصیت اور اپنی خدمات کے اعتبار سے وہ انتہائی عظمت و احترام کی حقدار ہے۔ اس کی عزت نفس کو اور اس کی عصمت وعفت کو مجروح کرنے والی کوئی بھی حرکت کسی کے لئے بھی کوئی معمولی بات نہیں ہونی چاہئے۔

چنانچہ خواتین کی حفاظت اور ان کے تئیں عزت واحترام کا جذبہ پیدا کرنے کے لئے سماجی سطح پر زبردست بیداری پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ ہر سطح پر ایسی اجتماعی کوششیں ہونی چاہئیں کہ جس کے نتیجے میں ان کو بری نظر سے دیکھنے والے اور ان کے خلاف جرائم پر آمادہ لوگوں کا حوصلہ ٹوٹے۔ ایسی کسی بھی حرکت کرنے والے کو فی الفور ایک بھرپور ردعمل کا سامنا کرنا پڑے۔ کسی راہ چلتی عورت کا دوپٹہ کھینچ لینا، دیکھ کر سیٹی بجادینا اور محض گھور کر دیکھ لینا بھی کسی کے لئے آسان نہ رہ جائے۔ یہ تبھی ہوسکتا ہے جب خواتین کی حفاظت کو عام لوگ خود اپنی ذمہ داری سمجھیں۔ محض پولس، حکومت اور قانون کو اس کے لئے جوابدہ نہ مانیں۔ دوسری طرف خواتین کو بھی اپنی عزت نفس کا خیال رکھنا چاہئے۔ انہیں ایسے لباس اور ایسے انداز و اطوار سے بچنا چاہئے جو لوگوں کی نگاہ میں ان کی عزت کم کرتے ہوں اور انہیں ایک تفریح ونمائش کی چیز بناتے ہوں۔ کمزور اخلاق کے لوگ جنہیں دیکھ کر حوصلہ پائیں اور وہ انہیں محض ایک جنسی شئے سمجھ کر ان پر ہاتھ ڈالیں۔

جنسی جرائم کے سلسلے میں قوانین کو بھی آخری حد تک سخت بنانے کی ضرورت ہے۔ حقوق انسانی کی دہائی دے کر آج سزائے موت کی مخالفت کی جارہی ہے اور اس سزا کا تصور ہی ختم کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ ہر انسان جو پیدا ہوا ہے، اسے اپنی طبعی موت تک جینے کا حق ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ایک استثنا اور ایک شرط ضروری ہے۔ وہ یہ کہ جب تک کوئی انسان کسی دوسرے کے اس حق کو پامال کرکے خود اپنا یہ حق نہ کھودے۔ چنانچہ قرآن کریم میں قتل نفس کی نفی کے ساتھ الا بالحق کی شرط لگائی گئی ہے۔ یعنی جرائم کی کچھ صورتیں ایسی ہیں جن میں مجرم کو نظام یا حکومت کی طرف سے موت کی سزا ہی دی جانی چاہئے۔ خواتین کی عصمت دری یا بدکاری کوئی معمولی جرم نہیں ہے۔ جسٹس سری کرشنا کے الفاظ میں کسی عورت کی عصمت دری محض اسے جسمانی اذیت دینے کا معاملہ نہیں ہے، بلکہ اس کے نتیجے میں عورت کی پوری شخصیت تباہ ہوجاتی ہے۔ اسی طرح بدکاری بھی اپنے نتائج کے اعتبار سے سماج کو انارکی میں مبتلا کرنے اور بدترین نتائج پیدا کرنے کا سبب ہے۔ نیویارک کے پروفیسر شیری ایف کالب کہتے ہیں کہ عصمت دری کے مجرم کو سزائے موت دینے کی مخالفت کا مطلب ہے اس جرم کو اتنا بڑا نہ سمجھنا کہ اس کے لئے موت کی سزا تجویز کی جائے۔ حالانکہ برطانوی قانون میں بھی پہلے عصمت دری کے مجرم کو خصی کردیا جاتا تھا۔ برطانوی پارلیمنٹ نے ۱۲۸۵ میں اس کے لئے موت کی سزا مقرر کی تھی۔

●●

بقیہ: پولیس کے خطا کار افسران کی سرزنش بھی ضروری ہے

آئی تھیں۔ ان کے علاوہ اسپیشل برانچ کے آفس سے ڈی سی پی اور اے سی پی وغیرہ کے ایس ایم ایس وغیرہ بھی بھیجے گئے تھے۔ اس کے علاوہ ارشاد کے نمبر پر ۳۶ کال مبینہ طور پر آئی بی کے آدمی ماجد ایم دین کے نمبر سے کی گئی تھیں اور جس دن ارشاد لاپتہ ہوا اس دن اس کے گھر والوں کی کال کے علاوہ آخری کال آئی بی کے لینڈ لائن نمبر سے کی گئی تھی اور آخری ایس ایم ایس اس کے موبائل پر ماجد ایم دین نے بھیجا تھا اس وقت وہ ہوٹل موریہ کے پاس تھا۔ اسی طرح محمد عارف کے موبائل پر بھی کال کی گئی تھیں۔ سی بی آئی نے مختلف ثبوتوں اور شواہد کی بنیاد پر پولیس کی کہانی کو مسترد کرتے ہوئے سوال اٹھایا ہے کہ آخر پولیس نے کس بنیاد پر یہ نتیجہ اخذ کیا کہ وہ البدر کے دہشت گرد ہیں؟

مبصرین کا کہنا ہے کہ بھارت میں حالات بہت تیزی کے ساتھ تبدیل ہورہے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہندوتووادی طاقتیں اس ملک کو ہندو راشٹر بنانے میں بہت جلد کامیاب ہوجائیں گی۔ وہ مسلمانوں کا صفایا کرنے کے لئے مختلف پہلوؤں اور جہتوں سے کام کررہی ہیں کیونکہ انہیں بھارت کو ہندو راشٹر بنانے میں بظاہر سب سے بڑی رکاوٹ مسلمان ہی نظر آرہے ہیں۔ چنانچہ وہ مسلمانوں کے لئے سرزمین بھارت کو تنگ کردینا چاہتی ہیں کہ ملک سے مسلمانوں کا صفایا کرکے اور اس کو مسلمانوں کے وجود سے پاک وصاف کرکے بھارت کو ہندو راشٹر ڈکلیئر کردیں اس سلسلہ میں سکیورٹی ایجنسیوں میں گھسے ہندوتووادی عناصر ان طاقتوں کے مشن کو عملی جامہ پہنانے میں سرگرمی سے مصروف ہیں کہ ملک کا اکثریتی طبقہ ہندوتووادیوں کی ذہنیت کو سمجھ چکا ہے اب وہ مسلمانوں کے خلاف اشتعال انگیزی اور نفرت انگیزی کا شکار نہیں ہوتا اور اس انداز میں فرقہ وارانہ فسادات کی لہر نہیں پھیلتی اس لئے اب سکیوریٹی فورسز اور دوسرے اداروں وتنظیموں میں گھسے ہوئے ان کے ایجنٹ بم دھماکوں، انکاؤنٹر گرفتاری وحراست اور جیل کی صعوبتوں میں مبتلا کرکے ان کے اندر عدم تحفظ، خوف ودہشت اور مرعوبیت کا ماحول پیدا کررہے ہیں جب کہ مسلم رہنما وعلماء اولاً تو اپنے اکابر واسلاف کی تاریخ سے بے بہرہ کردیئے گئے ہیں اور جو لوگ جانتے بھی ہیں وہ قربانی اور جرأت کا وہ جذبہ اپنے اندر پیدا نہیں کرپارہے ہیں۔ وہ حوصلہ، بلند عزائم اور جرأت وہمت سے محروم ہیں دین وایمان، خودداری اسلامی کردار اور مومنانہ بصیرت سب کچھ داؤ پر لگا چکے ہیں ایسے میں ملت کا اللہ ہی نگہبان ہے جب کہ اس کا اعلان ہے کہ وہ کسی قوم کی حالت اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنی حالت کو نہیں بدل لیتی۔ آئین وقانون کا تقاضا ہے کہ اس طرح کی مجرمانہ ذہنیت رکھنے والے پولیس افسران وملازمین کے خلاف قانونی چارہ جوئی اور کارروائی کی جائے۔

●●

بقیہ: رائے دہندگان کی....

ہیں، جو جماعتیں حکمراں نہیں ہوتیں، ان کی بھی کچھ ذمہ داریاں ہوتی ہیں ملک کو ٹھیک ڈھنگ سے چلانے اور عوام کی فلاح وبہبود کا خیال رکھنے میں ان کا بھی اپنا ایک کردار ہوتا ہے، وہ بھی عوام کے سامنے جواب دہ ہیں، مثال کے طور پر ملک کو کرپشن سے دور رکھنے کی جہاں ذمہ داری حکومت پر عائد ہوتی ہے وہیں حزب اختلاف پر بھی یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اس سلسلہ میں جو بھی قدم اٹھایا جائے اس کا ساتھ دے، اس میں تعاون کرے۔ نظام کو صاف شفاف رکھنے میں اس کا بھی اپنا ایک رول ہوتا ہے۔ اگر سیاست کو ہر طرح کی آلائشوں سے دور رکھنا ہے تو اس میں بھی حزب اختلاف کا کلیدی رول ہے، سیاست کی جرائم کاری کے عمل کو روکنے میں اس کا بھی ایک کردار ہوتا ہے۔ اسی طرح حکومت کے تعمیری اور مثبت کاموں میں ساتھ دینا دوسرے معنی میں عوام کی بھلائی ہے، اس لئے رائے دہندگان کی بھی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ آنکھ بند کرکے کسی کا ساتھ نہ دیں بلکہ میرٹ کی بنیاد پر فیصلہ کریں۔

●●

اُردو یونیورسٹی میں گوشۂ آزاد کا قیام

حیدر آباد- مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی کے مرکز برائے اُردو ادب، وثقافت کی جانب سے قائم کیا جانے والا گوشۂ آزاد ایک انتہائی لائق ستائش اقدام ہے۔ یونیورسٹی کے اس کاوش سے مجھے دلی مسرت ہوئی ہے۔ ان خیالات کا اظہار یونیورسٹی کی چانسلر ورکن منصوبہ بندی کمیشن ڈاکٹر سیدہ سیدین حمید نے یونیورسٹی کی جانب سے نو قائم شدہ گوشۂ آزاد کے مشاہدے کے دوران کیا۔

ڈاکٹر سیدہ نے اس موقع پر مولانا آزاد کی کچھ اور نادر ونایاب تصاویر اور کتابوں کی نشاندہی کرتے ہوئے انہیں بھی جلد از جلد اس گوشہ میں شامل کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ وائس چانسلر پروفیسر اے ایم پٹھان نے اس موقع پر کہا کہ مرکز برائے اُردو زبان، ادب وثقافت میں نو قائم شدہ گوشۂ آزاد کو مولانا آزاد کی تمام دستیاب نایاب ونادر تصاویر اور کتابوں کے علاوہ عصری آڈیو ویڈیو آلات کی مدد سے ایک منفرد گوشہ بنانے کے لئے تمام سہولتیں بہم پہنچائی جائیں گی۔ اس نو قائم شدہ آزاد گیلری کی تفصیلات پیش کی۔ یونیورسٹی کے بانی وائس چانسلر پروفیسر محمد شمیم جے راجپوری نے اس گوشہ افتتاح کیا تھا۔

حلال وپاک چیزوں کی اہمیت

محمد سیف اللہ کوٹہ، راجستھان

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”اے رسولو! پاک چیزوں میں سے کھاؤ اور نیک عمل کرو۔“ (سورۃ المومنون: ۵۱)

دوسری جگہ ارشاد ہے: ”اے ایمان والو! ہم نے تمہیں جو چیزیں بخشی ہیں انہیں کھاؤ اور خدا کا شکر ادا کرو، اگر تم اس کی عبادت کرتے ہو۔ (سورۃ البقرہ: ۱۷۲)

ایک جگہ فرمایا ”لوگو! زمین میں جو حلال اور پاک چیزیں ہیں انہیں کھاؤ۔“ (سورۃ البقرہ: ۱۶۸)

اور نبی اکرمؐ نے فرمایا: آدمی لمبا سفر کرتا ہے اور پریشان حال وغبار آلود ہوکر آسمان کی طرف ہاتھ اُٹھاتا ہے (اور کہتا ہے) اے رب! اے رب! جب کہ اس کا کھانا حرام ہوتا ہے اس کا پینا حرام ہوتا ہے، اس کا لباس حرام ہوتا ہے اور حرام ہی سے اس کی پرورش ہوئی ہوتی ہے۔ تب کہاں سے اس کی دُعا قبول ہوگی؟ مومن کو پاک اعمال حاصل ہونے کا سب سے بڑا ذریعہ حلال روزی کھانا ہے۔ اس کی وجہ سے اس کے عمل میں پاکیزگی پیدا ہوتی ہے اور تبھی عمل قابل قبول ہوتا ہے کہ حرام روزی ومال کھانے سے عمل فاسد اور خراب ہوجاتا ہے اور اس کی قبولیت میں رُکاوٹ آجاتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سعد! اپنا کھانا پاک بنالو تو مستجاب الدعوۃ (جس کی دُعا قبول ہوتی ہو) ہوجاؤ گے اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں محمد کی جان ہے، بندہ اپنے پیٹ میں حرام لقمہ ڈالتا ہے تو اللہ تعالیٰ چالیس دن تک اس کا کوئی عمل قبول نہیں کرتا۔ اور جس بندے کا بھی گوشت حرام سے بنا ہوگا جہنم ہی اس کا زیادہ حق دار ہے۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کی نماز قبول نہیں کرتا جس کے پیٹ میں حرام رزق ہو۔ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ وضو کے بغیر نماز اور حرام مال سے صدقہ قبول نہیں کرتا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ ابن مسعود سے روایت ہے کہ آدمی حرام مال کماتا ہے اور اس میں سے خرچ کرتا ہے تو برکت نہیں ہوتی، صدقہ کرتا ہے تو قبول نہیں ہوتا، اپنے پیچھے چھوڑ جاتا ہے، تو وہ جہنم کا زاد سفر بنتا ہے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ ابن مسعود سے روایت ہے کہ سفر جتنا لمبا ہوتا ہے، دُعا کی قبولیت کا اتنا ہی زیادہ حق دار ہوتا ہے کیوں کہ سفر کی پریشانیوں اور وطن کی دوری واجنبیت سے دل میں انکسار پیدا ہوتا ہے اور انکسار دُعا کی قبولیت کے اہم اسباب میں سے ہے۔ حضرت سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ آپ کی دُعا کیوں قبول ہوتی ہے؟ آپ نے فرمایا: میں کوئی لقمہ اپنے منہ میں نہیں لے جاتا جب تک مجھے معلوم نہ ہو کہ وہ کہاں سے آیا ہے۔ رسول اللہ فرماتے ہیں کہ ”اس کی دعا کہاں سے قبول ہوگی؟“ یعنی حرام کھانا، پینا، پہننا دُعا کی قبولیت کی رُکاوٹوں میں سے ہے، جیسے حرام کاموں میں ملوث ہونا اور فرائض وواجبات کا ترک کرنا ہے، جس طرح بھلائی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا چھوڑ دینے سے نیک لوگوں کی دعائیں بھی قبول نہیں ہوتیں۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں حرام سے بچنے سے اللہ تعالیٰ دُعا وتسبیح کو قبول کرتا ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نیکی کے ساتھ اتنی دعا بھی کافی ہے جتنا کھانے میں نمک۔

کانفرنس ومشاعرہ کا انعقاد

حیدر آباد - ادارہ ادب اسلامی کی طرف سے ایک کانفرنس دفتر حلقہ جماعت اسلامی ہند میں منعقد ہوئی۔ کانفرنس میں پینل ڈسکشن، ورکشاپ کے علاوہ انشائیے، افسانے اور مضامین پیش کئے گئے۔ اس موقع پر دو مشاعرے بھی منعقد ہوئے جن میں مختلف شعراء نے اپنا کلام پیش کیا اور مجموعہ کلام ”صدف صدف گہر“ کا اجراء بھی عمل میں آیا۔ کانفرنس میں ایک تنظیمی نشست بھی منعقد ہوئی جس میں ریاستی مجلس عاملہ تشکیل دی گئی۔

عبدالرحمٰن شاکر کو پی ایچ ڈی

دہلی یونیورسٹی نے عبدالرحمٰن شاکر کو ان کے تحقیقی مقالے ”دہلی میں ابتدائی اُردو شاعری کا تنقیدی مطالعہ ۱۷۵۰ء-۱۷۰۰ء)“ پر پی ایچ ڈی کی ڈگری تفویض کی ہے۔ انہوں نے یہ مقالہ فکشن کے مشہور ناقد و محقق پروفیسر ابن کنول کی نگرانی میں مکمل کیا ہے۔ واضح رہے کہ یکم مارچ کو یونیورسٹی کے جلسۂ تقسیم اسناد میں وائس چانسلر دیپک پنٹال نے اپنے ہاتھوں سے ڈگری سے سرفراز کیا۔

جلسہ تقسیم انعامات

بھنڈارہ- مولانا آزاد اُردو ہائی اسکول اور جونیئر کالج بھنڈارہ مہاراشٹر کا سالانہ جلسۂ تقسیم انعامات ۲۶؍فروری کو منعقد ہوا۔ ادارے کے پرنسپل جناب مقبول وارثی نے افتتاحی تقریر کی۔ جناب کیف نوگانوی نے صدارتی تقریر میں قرآن وحدیث کے حوالے سے دینی وعصری علم وتعلیم کی اہمیت وضرورت کی وضاحت کی۔

مسجد اشاعت اسلام میں خطبۂ جمعہ

دلوں میں جھانک کر دیکھیں کہ کتنی تاریکیوں کا بسیرا ہے

نئی دہلی- چھوٹے بڑے انقلابات ہر صدی، ہر دور اور ہر زمانے میں آتے رہے ہیں لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ نے آج سے چودہ سو سال پہلے جو انقلاب برپا کیا تھا وہ ایک پائیدار اور مستقل بنیادوں پر قائم ہونے والا انقلاب تھا جس کے اثرات ایک ہزار سال تک پوری دنیا پر چھائے رہے، آج بھی اس کی گونج ہمیں سنائی دیتی ہے، مختلف سمتوں میں اس کے اثرات دکھائی دیتے ہیں۔ اس کے آہستہ آہستہ آگے بڑھنے کی چاپ میں سنائی دیتی ہے۔ آج ۶۷۰ کروڑ انسانوں میں ۱۵۰ کروڑ اہل ایمان میں جو حضورؐ نبی کریم کو اپنا ہادی ورہبر اور اپنا رہنما تسلیم کرتے ہیں اور آپ کی سنتوں کو حرز جان بنائے ہوئے ہیں۔ ایسا انقلاب دنیا نے پھر دوبارہ نہیں دیکھا۔ ان خیالات کا اظہار جناب اعجاز احمد اسلم سکریٹری جماعت اسلامی ہند نے مسجد اشاعت اسلام میں اپنے خطبہ جمعہ کے دوران کیا۔ انہوں نے کہا کہ جب ہم اپنے دلوں میں جھانک کر دیکھتے ہیں اور اپنا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں اپنے اندر بڑی کمزوریاں نظر آتی ہیں۔ ربیع الاول کے مہینے میں ہم سیرت کے جلسے کرتے ہیں، میلاد کی مجلسیں منعقد کرتے ہیں جلسہ گاہوں اور خود اپنے گھروں کو برقی قمقموں سے روشن کرتے ہیں لیکن آج ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم دلوں میں جھانک کر دیکھیں کہ یہاں کتنی تاریکیوں کا بسیرا ہے۔ اس اعتبار سے اپنے گھروں اور محلوں کا بھی، پڑوسی ملک اور عالم اسلام کا بھی جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔ ہمارے گلی محلوں میں نظافت پاکی صفائی کا کیا حال ہے؟ عقیدہ وعمل اور اخلاق ومعاملات میں ہم کتنے پیچھے ہیں۔ یہ ہمارے سوچنے کی چیز ہے۔

انہوں نے کہا کہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کو ایک پاکیزہ معاشرہ اور انسانی تاریخ کو نیا رُخ دیا تھا۔ آج ہمیں انفرادی طور پر بھی اور اجتماعی طور پر بھی، دو دوچار کے گروپ میں بھی ایمان داری اور دیانت داری کے ساتھ جائزہ لینے کی ضرورت ہے کہ ہم نے آنحضورؐ کے مشن کو آگے بڑھانے میں کیا کردار ادا کیا ہے اور اس وقت کیا کررہے ہیں۔ ہیں یہ عہد کرنا ہے کہ ہم اپنے آپ کو بدلیں گے ہم جس عظیم ہستی کے نام لیوا اور اس کے دامن گرفتہ ہیں اور جس پر ایمان لانا ہمارے ایمان کا جزو ہے اس کے راستے پر چلیں گے اور اس کے اسوے کو اپنائیں گے یہی ربیع الاول کا پیغام ہے۔

(رپورٹ: عبدالحق فلاحی)

مرکز کا ہفتہ وار اجتماع

فکر آخرت زندگی کا اہم حصہ ہونا چاہئے

نئی دہلی- ”ہم دنیا کے مختلف معاملات ومسائل کو حل کرنے کے لئے پروگرام اور منصوبے بناتے ہیں مگر کیا ہم نے کبھی آخرت کے لئے بھی کوئی منصوبہ یا پروگرام بنایا ہے؟ یہ سوال ہر اس شخص سے ہے جو روز آخرت پر یقین رکھتا ہے۔“

یہ بات مولانا عبدالحق فلاحی نے مرکز جماعت اسلامی ہند کے ہفتہ وار پروگرام منعقدہ ۲۸؍فروری میں کہی۔

انہوں نے کہا کہ آج ہمارا مختلف قسم کے مسائل اور پریشانیوں سے دوچار ہے۔ غربت، جہالت، امراض اور ایسے بہت سے دوسرے مسائل ہیں جو ہماری فوری توجہ کے طالب ہیں، بلاسودی قرض اسکیم کے اداروں، شفاخانوں لائبریروں اور امداد مستحقین کے اداروں کا قیام، ایسے ٹرسٹوں سوسائٹیز اور این جی اوز کا رجسٹریشن اور ان کے لئے وسائل کی فراہمی اور ضرورت مندوں کی خبر گیری وقت کی اہم ضرورت ہے۔ یہ کام للہ فی اللہ کئے جائیں۔ یہ صدقہ جاریہ ہیں، اولاد کی عمدہ تعلیم وتربیت بھی صدقہ جاریہ ہے جو زندگی میں والدین کے ساتھ حسن سلوک کرے اور ان کے مرنے کے بعد ان کے حق میں دعاء خیر کرے۔ مولانا نے کہا کہ آخرت میں کامیاب ہونے کی فکر کو ہماری زندگی میں سب سے اہم مقام حاصل ہونا چاہئے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ خود آنحضورؐ آپ کے اہل خانہ، صحابہ وصحابیات اور آپؐ کے خدام سبھی فکر آخرت سے سرشار رہتے تھے۔ آپؐ کی زوجہ محترمہ اُم المومنین حضرت عائشہ کا خود اپنا بیان ہے کہ انہیں جہنم کی یاد آئی تو رو پڑیں۔ حضور نے دریافت فرمایا: کیوں روتی ہو؟ بولیں: مجھے جہنم کی یاد آگئی تو رو پڑی۔“ ایک بار آپ نے اپنی مجلس میں قبر کے مرحلہ کی آزمائشوں کا ذکر فرمایا تو صحابہ کرام پھوٹ پھوٹ کر روئے اور ان کی چیخیں نکل گئیں۔ (بخاری)۔ آپ کی خدمت میں شب وروز رہنے والے حضرت ربیعہ بن کعب کی خدمت سے خوش ہوکر نبیؐ نے ان سے کہا: مجھ سے کچھ مانگو میں تمہیں دوں گا۔ انہوں نے بہت غور وفکر اور تامل کے بعد جو چیز مانگی وہ یہ تھی کہ آپ میرے لئے اللہ سے دعا کردیں کہ اللہ مجھے نار جہنم سے نجات دے دے اور جنت میں داخل کردے۔ یہ واقعات بتاتے ہیں کہ آنحضورؐ کے گردوپیش شب وروز رہنے والوں کی نظر میں آخرت کا تصور کتنا واضح تھا اور اسے اپنی سب سے قیمتی متاع سمجھتے تھے۔

تحریکی سرگرمیاں

● لکھنؤ- جماعت اسلامی لکھنؤ واناؤ کا دو روزہ اجتماع بڑی مسجد میں منعقد ہوا۔ اجتماع میں جناب مقبول احمد فلاحی، جناب محمد نعیم، مولانا اشتیاق احمد ندوی، جناب عبدالقدوس، زبیر احمد فلاحی، اخلاق احمد فلاحی اور دیگر نے مختلف موضوعات پر اظہار خیال کیا۔

● بھساول- جماعت اسلامی ہند جلگاؤں حلقہ خواتین کی طرف سے منعقدہ ایک اجتماع میں تین سو سے زائد خواتین نے شرکت کی۔ اس موقع پر ناظمہ حلقہ خواتین مہاراشٹر محترمہ منیرہ خانم، محترمہ ساجدہ پروین اور دیگر نے اظہار خیال کیا۔

عام انتخابات سے قبل ریاستوں کا سیاسی وانتخابی منظر نامہ (۴)

(۸) جھارکھنڈ

لوک سبھا کی نشستیں: ۱۴ — اسمبلی کی نشستیں: ۸۲

پارٹیاں	پارلیمانی الیکشن ۲۰۰۴ء	اسمبلی الیکشن ۲۰۰۵ء
جھارکھنڈ مکتی مورچہ	۴	۱۷
کانگریس	۶	۹
راشٹریہ جنتادل	۲	۷
سی پی آئی	۱	......
بی جے پی	۱	۳۰
آزاد ودیگر	......	۱۹

نوٹ: اس ریاست میں بھی ابھی تک حد بندی نہیں ہوئی ہے۔ وہاں ہمیشہ سیاسی غیر یقینی کیفیت رہتی ہے۔ جس کا اثر انتخابی نتائج پر پڑتا ہے۔ اس وقت وہاں صدر راج نافذ ہے۔ لوک سبھا کی ۱۴ میں سے ۷ نشستیں محفوظ ہیں۔ یو پی اے میں انتخابی اتحاد ہوا تو بیشتر حلقوں میں دورُخی مقابلہ ہوگا ورنہ کئی رُخی مقابلے سے ووٹ بڑے پیمانے پر تقسیم ہوں گے۔

(۹) ہماچل پردیش

لوک سبھا کی نشستیں: ۴ — اسمبلی کی نشستیں: ۶۸

پارٹیاں	پارلیمانی الیکشن ۲۰۰۴ء	اسمبلی الیکشن ۲۰۰۷ء
کانگریس	۳	۲۳
بی جے پی	۱	۴۱
آزاد ودیگر	......	۴

نوٹ: حد بندی سے تمام پارلیمانی نشستیں متاثر ہوئی ہیں، ریاست کی شملہ پارلیمانی نشست محفوظ ہے۔ عموماً کانگریس اور بی جے پی کے درمیان دورُخی مقابلہ ہوتا ہے۔

اسرائیل کے انتخابی نتائج میں انتہا پسندوں کی جیت

صبا ممتاز

◎

ایہود اولمرٹ کے مستعفی ہوجانے کے بعد قدیمہ پارٹی کی سربراہ اور وزیر خارجہ کے عہدے پر فائز "موساد" کی سابقہ ایجنٹ زپی لیونی کو حکومت بنانے کی دعوت دی گئی تھی، جس میں ناکامی کے بعد اسرائیل کے صدر شمعون پیریز نے فروری میں دوبارہ انتخابات کے انعقاد کا اعلان کیا تھا۔ دس فروری کو ہونے والے اسرائیلی انتخابات میں کوئی بڑی سیاسی جماعت واضح اکثریت حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکی، البتہ ان انتخابات میں انتہا پسند جماعتیں فتح حاصل کرنے میں کامیاب رہی ہیں۔

ان انتخابات سے قبل یہ بات واضح نہ تھی کہ اسرائیل میں ایک انتہا پسند حکومت تشکیل پائے گی جو کہ امن کے کسی بھی فارمولے پر کام کرنے کے لئے تیار نہیں اور مقبوضہ فلسطین کا قبضہ چھوڑنے کے لئے کسی بھی طرح کی سودے بازی یا مذاکراتی عمل کے خلاف ہے۔ یا پھر ایسی جماعت سامنے آتی ہے جو کہ معتدل اور متوازن راستے کو ترجیح دیتی ہے اور فلسطینیوں کے ساتھ امن مذاکرات اور گفت وشنید کا راستہ اختیار کرتی ہے۔ انتہا پسند حکومت کے برسر اقتدار آنے کا مطلب مشرق وسطیٰ میں امن مذاکرات کے لئے اوباما انتظامیہ کے لئے مسائل کھڑے کرنا بھی ہے۔

انتخابی نتائج کے مطابق مرکزی قدیمہ پارٹی کی سربراہ زپی لیونی کو پارلیمنٹ کی 120 میں سے 30 نشستوں پر کامیابی ملی ہے۔ جب کہ بنیامن نیتن یاہو کی قیادت میں دائیں بازو کی لیکوڈ پارٹی کو 29 نشستیں حاصل ہوئی ہیں۔ مجموعی طور پر دائیں بازو کی لیکوڈ پارٹی کو ایوگدور لابیرمین کی حمایت کی وجہ سے حکومت کی تشکیل سازی کے قابل قرار دیا جارہا ہے۔ اس جماعت نے پارلیمنٹ میں پندرہ نشستوں پر کامیابی حاصل کی ہے اور وزیر دفاع ایہود باراک کی لیبر جماعت کی تیرہ نشستوں کے مقابلے میں پندرہ نشستیں حاصل کرکے خود کو تیسرے بڑے دھڑے کے طور پر منوالیا ہے۔ دوسری بڑی جماعت کے سربراہ نیتن یاہو نے اپنے حامیوں سے خطاب میں کہا کہ خدا کی مرضی سے اگلی حکومت دائیں بازو کی جماعتیں بنائیں گی۔ نیتن یاہو اس سے بھی زیادہ پُرامید ہیں کہ ان دونوں بڑی جماعتوں کے علاوہ انتخابات میں دائیں بازو کی جماعتوں کی مجموعی کارکردگی بہتر رہی ہے۔ نیشنلسٹ کیمپ کی فتح پر نیتن یاہو مسرور ہیں۔ لیکوڈ پارٹی انتہائی دائیں بازو کی جماعت یزائیل بیتن کے ساتھ مل کر جس نے پندرہ نشستوں پر کامیابی حاصل کی، حکومت سازی میں نمایاں کردار ادا کرنے کی پوزیشن میں ہے۔ یزائیل بیتن ناہو کے سربراہ لابیرین

عربوں کے ساتھ امن مذاکرات کے مخالف ہیں۔

انتخابات سے قبل عوامی جائزوں کے مطابق قدیمہ پارٹی کی رہنما زپی لیونی کے رہنماؤں زپی لیونی اور ایہود اولمرٹ نے مختلف جگہوں پر درخت لگا کر اپنی انتخابی مہم کا آغاز کیا، جب کہ دائیں بازو کی لیکوڈ پارٹی کے سربراہ بنیامین نیتن یاہو اور یزائیل بیتن ناہو پارٹی (اسرائیل ہمارا بیت نو ہے) کے رہنماء ایوگدور لابیرمین نے اپنی مہم کے اختتام پر قدیم یروشلم میں یہودیوں کے لئے انتہائی مقدس دیوار گریہ کا دورہ کیا، جو بین الاقوامی قوانین کی رو سے متنازعہ اور مقبوضہ علاقہ شمار کیا جاتا ہے۔ اسرائیلی وزیر اعظم ایہود اولمرٹ نے گزشتہ سال اپنے اوپر لگائے گئے بدعنوانی کے الزامات کے پیش نظر اپنے عہدے سے علیحدہ ہونے کا اعلان کیا تھا جس کی وجہ سے ملک میں قبل از وقت انتخابات کی نوبت آئی۔ ایہود اولمرٹ کے عہدے سے الگ ہونے کے بعد قدیمہ پارٹی کی وزیر خارجہ زپی لیونی نے حکومت بنانے کی کوشش کی، لیکن لیونی کی حکومت سازی میں ناکامی کے بعد ملک میں عام انتخابات کے انعقاد کا فیصلہ کیا گیا۔ زپی لیونی اس وقت بھی تمام تر کوششوں کے باوجود حکومت سازی میں ناکام ہیں۔ غزہ آپریشن نے عربوں اور اسرائیلیوں کو ایک دوسرے سے بہت دور کردیا اور اب غزہ آپریشن کے تقریباً فوری بعد اسرائیل کی انتہائی دائیں بازو کے خیالات رکھنے والی پارٹی یزائیل بیتن ناہو کی انتخابات میں کامیابی نے عرب اسرائیل کشیدگی کو اور بڑھادیا ہے۔ سابق سوویت یونین یا روس نواز ملکوں سے نقل مکانی کرنے والے یہودیوں میں اس پارٹی کو زیادہ مقبولیت حاصل ہے۔ اس پارٹی کی قیادت انتہاپسند رہنما ایوگدور لابیرمین کے ہاتھوں میں ہے جو کہ غزہ پر حملوں سے اختلاف رکھنے والے اسرائیلی سیاست دانوں کو بے نقط سناتے رہتے ہیں۔ غزہ پر حملے کی مخالفت کرنے والے یا اس حملے کو نسل کشی قرار دینے والے "کینیسٹ" کے چند ارکان کو ایوگدور لابیرمین نے باقاعدہ دہشت گرد قرار دیا اور کہا کہ جس طرح حماس سے نمٹا گیا ہے اُن کے ساتھ بھی اسی طرح سختی سے نمٹنا چاہئے۔ صرف اتنا ہی نہیں لابیرمین نے یہ کوشش بھی کی کہ دو اسرائیلی عرب پارٹیوں پر انتخابات میں حصہ لینے پر پابندی لگادی جائے، اسرائیلی سپریم کورٹ نے لابیرمین کی درخواست پر کان نہ دھرتے ہوئے اسے مسترد کردیا۔

اسرائیلی عرب جماعتوں کی مخالفت لابیرمین نے اس لئے کی کہ وہ انہیں یہودی اسرائیل باشندے ماننے کے لئے تیار نہیں۔ اسرائیلی عرب اُن لوگوں کو کہا جاتا ہے جو فلسطینی عرب ہیں اور جو اب اُن علاقوں میں رہتے ہیں جن پر 1948ء میں اسرائیل قائم کردیا گیا تھا۔ ان عربوں کو اسرائیلی شہری ہونے کی حیثیت سے مکمل حقوق حاصل ہیں، لیکن ان کے ساتھ وسیع پیمانے پر امتیازی سلوک برتا جاتا ہے۔ لابیرمین کا موقف ہے کہ ان علاقوں میں آباد اسرائیلی شہری فلسطینیوں کے لئے نرم گوشہ رکھتے ہیں۔ "عربوں کو ختم کردو" کا نعرہ لگانے والی جماعتوں یا اُن کے سربراہوں سے ان مقبوضہ عرب علاقوں میں رہنے والے باشندوں کو کسی قسم کا انس اور محبت نہیں ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ جماعتیں نہ صرف خود فلسطینیوں پر ظلم کرتی ہیں بلکہ انہوں نے دوسرے یہودیوں کو بھی فلسطینیوں کے خلاف کردیا ہے۔ اس علاقے میں رہنے والے 35 سالہ احسان کا کہنا ہے کہ "عربوں کو ختم کردو" کا نعرہ پہلے انتہائی دائیں بازو کے لوگ لگاتے تھے، لیکن اب کہیں زیادہ لوگ یہ بات کرنے لگے ہیں۔ لیونی ہو یا نیتن یاہو، انہیں حکومت سازی کے لئے لابیرمین کی پارٹی کی شراکت درکار ہے۔ دونوں جماعتوں کے سربراہوں کو اپنی اپنی کامیابی کا دعویٰ تو ہے مگر اسرائیل کے لوگوں نے لیکوڈ پارٹی کی سربراہی میں قائم نیشنلسٹ کیمپ کو ووٹ دے کر ثابت کردیا ہے کہ وہ فلسطینیوں کو جان سے ماردینے والے کے ساتھ ہیں۔

عربوں کو ان انتخابات کے حوالے سے توقعات تھیں کہ اعتدال پسند جماعت کے برسر اقتدار آنے سے امن کوششوں کو تقویت ملے گی، مگر انتخابات کے نتائج نے واضح کردیا ہے کہ امن کی کوششوں کے لئے ماحول سازگار نہیں۔ کیونکہ اسرائیل کی سیاسی فضا میں ایسے لوگ سامنے آئے ہیں جو کہ فلسطینیوں کے لئے نرم گوشہ نہیں رکھتے۔ اسرائیلی انتخابات کے بعد اوباما کی امن کوششوں کی مساعی کے تیز تر ہونے کی توقعات بھی اب دم توڑتی نظر آرہی ہیں۔ کیونکہ اسرائیل میں بنیامین نیتن یاہو اور لیکوڈ جماعت دونوں دو ریاستی فارمولے کے خلاف ہیں، جب کہ قدیمہ اور لیبر پارٹی اس کے حق میں ہیں۔ انتخابات کے ان غیر واضح نتائج کی روشنی میں جو کثیر الجماعتی اتحادی حکومت تشکیل پاتی نظر آتی ہے۔ وہ دونوں مواقع کی نمائندگی کرسکتی ہے۔ امن کے لئے فضا سازگار یا پھر امن کے لئے مشکلات حائل کرنا دونوں اس کے ہاتھ میں ہوگا۔ فلسطینی قیادت بھی اس وقت دو دھڑوں

میں بٹی ہوئی ہے، جب کہ ان دونوں دھڑوں حماس اور الفتح کے بھی اپنے حمایتی ہیں۔ جہاں تک عربوں کا مسئلہ ہے وہ اسرائیل سے مفاہمت کے خلاف ہرگز نہیں۔ بیروت میں 2002ء میں بائیس عرب ممالک نے شاہ عبداللہ کی تجویز پر ان کی سربراہی میں ایک متفقہ اعلامئے پر دستخط کئے تھے۔ جس میں اسرائیل کو پیشکش کی گئی تھی کہ اگر وہ 1967ء سے پہلے کی سرحدوں پر واپس جائے، اور فلسطینی مہاجرین کے مسئلے کے حل پر غور کرے تو تمام عرب ممالک اس کے ساتھ نارمل تعلقات قائم کرسکتے ہیں۔ اب سات سال گزر جانے کے بعد 2007ء میں اسے پھر سعودی عرب کے شاہ نے اس تجویز کو دہرایا ہے کہ اگر اسرائیل 1967ء سے پہلے کی سرحدوں پر واپس چلا جائے، فلسطینی مہاجرین کو آبادکاری کا حق دیا جائے تو عرب ممالک اسرائیل کو تسلیم کرنے اور اس سے تعلقات قائم کرنے کے لئے تیار ہیں۔ مگر اب کی بار نتیجہ پھر وہی نکلا، امریکہ، اسرائیل یا اسرائیل نواز کسی ملک کی طرف سے حوصلہ افزا جواب سامنے نہیں آیا۔ عربوں کی اس تجویز کے جواب میں امریکہ نے اپنا امن منصوبہ ہی بار بار دہرایا۔ یوں عربوں کا مصالحتی منصوبہ کبھی اینا پولیس کانفرنس کی بھینٹ چڑھا دیا گیا، تو کبھی بین الاقوامی مفاہمتی اصولوں کی نذر کردیا گیا۔ ایہود اولمرٹ کے استعفیٰ سے پہلے امریکہ کا پیش کردہ امن معاہدہ طے پا جانے کی توقع ظاہر کی جارہی تھی۔ یہ وہ امن منصوبہ تھا جس کے بارے میں فلسطین کو باور کرادیا گیا تھا کہ اگر وہ امن چاہتے ہیں تو انہیں امریکہ کے اس امن منصوبے کو تسلیم کرنا ہوگا۔

اب نئی اسرائیلی حکومت سے کیا توقع کی جاسکتی ہے جب کہ برسر اقتدار آنے والے نمائندوں کا رویہ انتہا پسندانہ ہے۔ ان کی انتہاپسندانہ سوچ اور عربوں سے مخالفت کے پیش نظر ان سے مفاہمت یا مصالحت کی امید رکھنا بے جا ہے۔ مگر اس مسئلے کے تمام فریقین کو بھی اب اچھی طرح یہ احساس ہوچکا ہے کہ پہلے کی تمام پالیسیاں ناکام ہوچکی ہیں اور اب وقت ہے کہ امن مذاکرات کو آگے بڑھایا جائے۔ دوسری صورت میں اسرائیلیوں کو ان کی شناخت کا مسئلہ بھی درپیش ہوسکتا ہے۔ علاوہ ازیں تمام عرب ہمسایوں سے بہتر تعلقات کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی سکیورٹی کو بھی سنجیدگی سے لیں اور اسے یقینی بنانے کے لئے فلسطینیوں کے ساتھ امن و مفاہمت یا فلسطین کے وجود کو تسلیم کرنا ناگزیر ہے۔ عرب لیگ، فلسطینی اتھارٹی یا عرب ممالک کے متفقہ گروپ کی جانب سے

مذاکرات کی دعوت پر نئی اسرائیلی حکومت عرب ممالک کو خیرسگالی کا پیغام بھیج کر ثابت کرسکتی ہے کہ وہ عربوں کے ساتھ مل کر مشرق وسطیٰ کے خطے کو جنت بنانے میں اپنا کردار ادا کرے گی۔ مثالی حالات یا امن پسند رہنماؤں کا انتظار کرنے کی بجائے یہی وقت ہے کہ آگے بڑھا جائے اور ڈائیلاگ کئے جائیں، کیونکہ ہر جاتا ہوا لمحہ اور آخری سانسیں لیتا ہوا بچہ اس کشیدگی کو اور ہوا دے رہا ہے۔ لیکن حکومت سازی کے لئے پرتولتی سیاسی جماعتوں سے امن اور مفاہمت کی امید کم ہی نظر آرہی ہے۔ کیونکہ دائیں بازو کی جماعتیں نہ صرف امن منصوبے کے لئے کسی قسم کے مذاکرات کے خلاف ہیں بلکہ وہ تو فلسطینیوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینے کے عزائم رکھتی ہیں۔ ان کے خیال میں اسرائیل کی سرزمین پر کسی فلسطینی کے سانس لینے کی گنجائش نہیں۔ یہ ان ہی انتہا پسند جماعتوں کا کارنامہ ہے کہ فلسطین میں باقاعدہ نسل کشی کا منصوبہ بنایا گیا۔ معصوم بچوں کی ہلاکت، گھروں کے گھر اجاڑ دینا نسل کشی نہیں تو اور کیا ہے۔ مظالم کی داستانیں رقم کرنے والے ان اسرائیلیوں سے کیا توقع کی جاسکتی ہے۔ کہ وہ فلسطینیوں کو زندہ رہنے کا حق دیں گے۔

نیتن یاہو نے پارلیمنٹ میں ایک بڑے قوم پرست کیمپ کی نشاندہی کرتے ہوئے وزیراعظم بننے کا عزم دہرایا ہے اور کہا ہے کہ وہ دائیں بازو کی جماعتوں کے ساتھ حکمرانی کا ایک اتحاد قائم کریں گے۔ 59 سالہ نیتن یاہو نے انتخابات کے نتائج کے بعد کہا کہ انتخابات میں قدیمہ پارٹی کو قلیل سی اکثریت حاصل ہوئی ہے لیکن دائیں بازو کی پارٹیوں کے پارلیمنٹ میں 64 ارکان ہیں۔

انتخابات اور ان کے نتائج نے حماس کے ساتھ مفاہمت کے راستوں کو بند کردیا ہے۔ لبنان میں حماس کے نمائندے اسامہ حمدان نے کہا ہے کہ اسرائیلی پارلیمنٹ کے حالیہ انتخاب میں بائیں بازو کی جماعتوں کی جیت سے فلسطینیوں کے ساتھ امن قائم کرنے کا باب ہمیشہ کے لئے بند ہوچکا ہے۔ اسامہ حمدان نے کہا کہ انتخابی نتائج حماس کے لئے کوئی غیر متوقع بات نہیں۔

انتخابات کے نتائج کے بعد غزہ پر حملوں میں بھی تیزی آگئی ہے۔ اسرائیل نے ان حملوں میں حماس کے مقامی ہیڈکوارٹر کو بھی نقصان پہنچایا۔ اسرائیل حماس کے معاملے میں اقوام متحدہ کی قرار دادیں ماننے کو بھی تیار نہیں اور نہ ہی عالم اسلام کی بات پر کان دھرنا چاہتا ہے۔ کیونکہ وہ فلسطین کے خطے کو ضم کرکے صرف اور صرف اسرائیل کی شکل میں ہی دیکھنے کا خواہاں ہے، اور اس مقصد کو لے کر وہ بڑی بے دردی سے بے گناہوں کا خون بہا رہا ہے۔

●●

اولیات عمرؓ فاروق

عبدالوہاب قاسمی جگتیال، کریم نگر

حضرت عمرؓ فاروق نے اپنے دور خلافت میں رعایا کے لئے بہت سی اصلاحات کیں جن کو اولیات عمرؓ کہا جاتا ہے۔ (۱) بیت المال کا قیام (۲) عدالتوں کا قیام اور قاضی کا تقرر (۳) تاریخ اور سنہ ہجری کی ابتداء (۴) امیر المومنین کا لقب اختیار کیا (۵) فوجی دفتر کی ترتیب (۶) والنٹیروں کی تنخواہ مقرر کی (۷) دفتر مال قائم کیا (۸) پیمائش جاری کی (۹) مردم شماری کرائی (۱۰) نہریں کھدوائیں (۱۱) شہر آباد کرائے، کوفہ، بصرہ، موصل، جیزہ، فسطاط وغیرہ (۱۲) ممالک مقبوضہ کو صوبوں میں تقسیم کیا (۱۳) عشور مقرر کی (۱۴) دریا کی پیداوار عنبر وغیرہ پر محصول لگایا اور محصل مقرر کیا (۱۵) حربی تاجروں کو ملک میں آنے اور تجارت کرنے کی اجازت دی (۱۶) جیل خانہ قائم کیا کہ اس سے قبل عرب میں جیل خانہ کا تصور ہی نہیں تھا۔ حضرت عمرؓ نے اولاً مکہ معظمہ میں صفوان بن امیہ کا مکان خرید کر اس کو جیل خانہ میں تبدیل کیا پھر اضلاع میں جیل خانے بنوائے نیز جلاوطنی کی سزا بھی حضرت عمرؓ کی ایجاد ہے۔ (۱۷) درہ کا استعمال بھی حضرت عمر کی ایجاد ہے (۱۸) راتوں کو گشت کرکے رعایا کے حال احوال معلوم کرنے کا طریقہ نکالا (۱۹) پولیس کا محکمہ قائم کیا (۲۰) جا بجا فوجی چھاؤنیاں قائم کیں (۲۱) گھوڑوں کی نسل میں اصیل اور مجنس کی تمیز قائم کی جو اس وقت تک عرب میں نہ تھی (۲۲) پرچہ نویس مقرر کئے (۲۳) مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ تک مسافروں کے آرام وراحت کے لئے مکانات تعمیر کرائے۔ (۲۴) بچوں کی پرورش کے لئے روزینے مقرر کئے (۲۵) مختلف شہروں میں مہمان خانے بنوائے (۲۶) قانون بنایا کہ اہل عرب گو کافر ہی ہوں غلام نہیں بنائے جاسکتے (۲۷) مفلوک الحال نصرانیوں ویہودیوں کے لئے وظائف مقرر کئے (۲۸) مکاتب قائم کئے (۲۹) معلم اور مدرس کے لئے تنخواہیں مقرر کیں (۳۰) خود خلیفہ بننے سے پہلے حضرت ابوبکر کو باصرار قرآن کو یکجا کرنے پر آمادہ کیا اور اپنے اہتمام سے اس کام کو پورا کرایا (۳۱) قیاس کا اصول قائم کیا (۳۲) فرائض میں عول کا مسئلہ ایجاد کیا (۳۳) نماز تراویح باجماعت قائم کی۔ (۳۴) بیک وقت بلاتعین عدد اندھا دھند اور بے تحاشہ دی گئی طلاقوں کو تین طلاق قرار دیا۔ (۳۵) شراب کی حد کے لئے اَسّی کوڑے مقرر کئے (۳۶) تجارت کے گھوڑوں پر زکوٰۃ مقرر کی (۳۷) بنو تغلب کے نصرانیوں پر جو یہ کہ بجائے زکوٰۃ مقرر کی (۳۸) وقف کا طریقہ ایجاد کیا (۳۹) نماز جنازہ میں چار تکبیروں پر اجماع کرادیا (۴۰) مساجد میں وعظ گوئی کا طریقہ قائم کیا۔ چنانچہ ان کی اجازت سے تمیم داری نے وعظ کہا جو اسلام میں پہلا وعظ تھا۔ (۴۱) اماموں اور موذنوں کے لئے تنخواہیں مقرر کیں (۴۲) مساجد میں روشنی کا انتظام کیا (۴۳) ہجو کرنے پر پر تعزیز قائم کی۔ (۴۴) غزلیہ اشعار میں عورتوں کا نام لینے پر پابندی عائد کی حالانکہ عربوں میں اشعار میں عورتوں کا نام لینا جزو لازم تھا۔ ●●

بے چین سماج اور مائیکرو سسٹم آف میرج

محمد الیاس، گیا

ماضی میں مسلم سماج کے اندر جہاں شادی کوئی مسئلہ نہیں تھا، آج بڑا مسئلہ بن چکا ہے، خاص طور سے لڑکیوں کی شادی۔ اور لڑکیاں وہ جن کا تعلق درمیانہ طبقہ سے ہے۔ ان کے والدین نہ تو بہت مالدار ہیں اور نہ بالکل نادار۔ یہ دونوں طبقے تعداد کے لحاظ سے درمیانہ طبقہ سے بہت ہی کم ہوتے ہیں۔ مالدار لوگ اپنے بیٹوں، بیٹیوں کی شادی کا مسئلہ اپنے مال اور نادار لوگ زیادہ تر لوگوں کی امداد سے حل کرتے ہیں۔ جب کہ درمیانہ طبقہ جن کی سماج میں بڑی تعداد ہوتی ہے اور کسی سماج کی اصل پہچان بھی یہی لوگ ہیں، ان کے پاس ضرورت سے زیادہ نہ مال واسباب ہوتا ہے اور نہ وہ اپنی شرافت اور خودداری کو لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلا کر مجروح کرنا پسند کرتے ہیں۔ اگر کسی سماج کا یہ طبقہ اپنی بنیادی ضروریات بچوں کی تعلیم، علاج معالجہ اور ملازمت یا روزگار کے لئے بھی بے چینی اور مضطرب ہو تو مالدار اور نادار سمیت پورا سماج بے چین ہوگا۔ ایسے سماج میں ایک طرف مالدار کو اپنے مال کی وجہ سے دوسری طرف ناداروں کی ضرورت پوری نہ ہونے یا نہ کرنے کی وجہ سے انہیں ہمیشہ جان ومال کا خطرہ لگا رہتا ہے۔ مختصر الفاظ میں یہ ایک ایسے سماج کی تصویر ہے جہاں تینوں طبقے پریشان نظر آتے ہیں۔ لیکن یہ پریشانی دراصل درمیانہ طبقہ کی وجہ سے ہی سماج میں زبردست اور غالب اکثریت انہی کی ہے، اگر یہ مطمئن ہوں تو مالدار اور نادار سمیت پورا سماج مطمئن ہوگا۔

یہ وہ صورت حال ہے جہاں مائیکرو سسٹم آف میرج کی ضرورت محسوس ہوتی ہے لیکن اس کے نام لفظ میرج یا شادی سے یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہئے کہ اس کا تعلق صرف شادی کے مسئلہ سے ہے۔ اس کا تعلق اسلام کے دعوتی پہلوؤں کے ساتھ شادی سمیت دراصل پوری ملت کے عروج اور ترقی سے ہے جو بنیادی طور سے غربت، جہالت، اور بے روزگاری کے خاتمہ سے وابستہ ہے۔

ضرورت یہ ہے کہ شادی کا مسئلہ جس پر کثیر رقم خرچ ہوتی ہے اس طرح انجام پائے جس طرح اسلامی شریعت چاہتی ہے اور شادی پر خرچ ہونے والی فاضل رقم کو بچا کر بچوں کی تعلیم، صحت، اور ہنرمند باروزگار بنانے پر خرچ کرکے اپنی حالت بہتر بنانے کی کوشش کی جائے تاکہ ملت بھی سربلند ہو اور ملک بھی ترقی کرے۔ اور سماج سے دھیرے دھیرے بے چینی بھی دور ہو۔

●●

شرعی حدود کے مقدمات کیلئے کام شروع

سعودی عرب میں شرعی حدود کے مقدمات نمٹانے کے لئے سپریم کورٹ نے کام شروع کردیا۔ مجلس شوریٰ کے تحت ماہرین قانون نے فوجداری جرائم کی عدالتی کارروائی کا مسودہ تیار کیا تھا۔ جس میں یہ کہا گیا ہے کہ شرعی حدود کے مقدمات کا حتمی فیصلہ سپریم کورٹ کرے گی۔ کسی بھی فرد کو سنگساری، ہاتھ کاٹنے، یا گردن زدنی کا فیصلہ سپریم کورٹ کے بغیر نہیں ہوگا۔ سپریم کورٹ کے ایک رکن شیخ شافی الحقبانی نے ریاض میں صحافیوں کو بتایا ہے کہ سپریم کورٹ ان تمام مقدمات کی سماعت کرے گی، جواب سے قبل اعلیٰ عدالتی کونسل میں زیر سماعت رہتے تھے، ججوں کا تقرر، ترقی اور ان کی اہلیت میں اضافے کے پروگرام سپریم کورٹ کے اختیارات میں شامل ہیں۔ نئے منصوبے کے مطابق ججوں کے خلاف شکایات کا راستہ بھی کھول دیا گیا ہے۔ سعودی عرب کے نئے نظام کے مطابق پولیس کو مالک مکان کی غیر موجودگی میں مکان کی تلاشی یا تفتیش کی اجازت نہیں ہوگی، بغیر پولیس کسی کے بھی گھر میں صاحب خانہ کی غیر حاضری میں داخلے کی مجاز نہیں ہوگی۔

ایک بحث

لفظ "کافر" کا استعمال

عبدالبر اثری فلاحی، سینئر سپروائزر فیروس ایجوکیشنل فاؤنڈیشن ممبئی

◎

آج کل میڈیا میں اپنے اور اغیار ہر ایک کی طرف سے لفظ "کافر" پر بڑی موشگافیاں کی جارہی ہیں۔ اپنوں میں بعض یہ کہتے ہیں کہ ہر وہ شخص جو اسلام کی اساسیات پر ایمان نہ رکھتا ہو اسے کافر نہیں کہا جاسکتا۔ یہ لفظ "غیر مسلم" کے مترادف اور ہم معنی نہیں ہے۔ کافر صرف اس شخص کو کہا جاسکتا ہے جس تک اسلام کی دعوت پہنچائی جائے اور اس پر اتمام حجت کردی جائے اس کے باوجود وہ اسلام قبول نہ کرے۔ اغیار کا یہ الزام ہے کہ لفظ "کافر" ہمارے لئے گالی ہے۔ اس سے بغض ونفرت اور حقارت کا مفہوم ٹپکتا ہے اس لئے اسے تبدیل ہونا چاہئے اور ہمیں کافر نہیں کہا جانا چاہئے۔

اس سلسلے میں پہلی بات تو یہ واضح رہنی چاہئے کہ یہ اصطلاح ہم نے نہیں وضع کی ہے کہ ہم جو چاہیں اس کی تشریح کریں اور جو چاہیں اسے جامہ پہنائیں یا تبدیل کردیں یہ اصطلاح اللہ کی وضع کردہ ہے اور قرآن میں مختلف صیغوں کی شکل میں کفر اور کافر کا لفظ ۴۹۴ بار استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ اس کا صحیح مفہوم وہی ہوگا جو قرآن میں بیان ہوا ہے۔

اس سلسلے میں دوسری بات یہ بھی سامنے رہنی چاہئے کہ قرآن مجید نے جب یہ اصطلاح استعمال کی تو جو لوگ اس کے پہلے مخاطب تھے انہوں نے اس پر نہ کوئی اعتراض کیا اور نہ انہوں نے اس تعبیر میں کوئی توہین اور تمسخر محسوس کیا حالانکہ وہ عربی زبان سے زیادہ واقف اور زبان کے رمز آشنا تھے۔ بہت سی باتوں پر ان کا احتجاج سامنے آیا لیکن اس بات پر ان کی طرف سے کبھی کوئی احتجاج سامنے نہیں آیا بلکہ خود غیر مسلم اپنے کافر ہونے کا اقرار واعتراف کرتے تھے اور کہتے تھے کہ "تم جو پیغام لے کر آئے ہو ہم اس سے کفر کرتے ہیں"۔ (الزخرف: ۲۴)

کفر کے لغوی معنی چھپانے اور ڈھانکنے کے ہیں۔ جمہرۃ اللغۃ جلد ۲ صفحہ ۴۰۱ پر ہے "اصل الکفر التغطیۃ علی الشیئ" کفر کی اصل ہے کسی چیز کو ڈھانک لینا اور اسے چھپالینا"۔ لفظ کفر اصطلاحی مفہوم بھی رکھتا ہے جس کی صراحت ماہرین لغت نے کی ہے:

"الکفر ضد الاسلام" کفر اسلام کی ضد ہے۔ (جمہرۃ اللغۃ جلد ۲ صفحہ ۴۰۱)

"الکفر ضد الایمان" کفر ایمان کی ضد ہے۔ (تاج اللغۃ جلد ا صفحہ ۳۹۴، القاموس جلد ا صفحہ ۵۴)

"الکفر نقیض الایمان" کفر ایمان کے خلاف کو کہتے ہیں۔ (لسان العرب جلد ۵ صفحہ ۱۴۴)

"الکفر مقابل الایمان" کفر ایمان کے مقابل کو کہتے ہیں۔ (روح المعانی جلد ا صفحہ ۱۲۶)

ایمان کا مطلب ہے توحید، رسالت، آخرت اور شریعت کا اقرار، تو گویا کفر کا مطلب ہوا ان کا انکار۔

قرآن مجید میں لفظ "کفر" اپنے اصل لغوی معنی کے ساتھ ساتھ درج ذیل معانی کے لئے استعمال ہوا ہے۔

(۱) شکر کے بالمقابل ناشکری کے معنی میں استعمال ہوا ہے:

"اور میرا شکر ادا کرو، کفران نعمت نہ کرو۔" (البقرۃ: ۱۵۲)

" (سلیمان علیہ السلام نے) کہا: یہ میرے رب کا فضل ہے تاکہ وہ مجھے آزمائے کہ میں شکر کرتا ہوں یا کافر نعمت بن جاتا ہوں اور جو کوئی شکر کرتا ہے تو اس کا شکر اس کے اپنے ہی لئے مفید ہے ورنہ کوئی ناشکری کرے تو میرا رب بے نیاز اور اپنی ذات میں آپ بزرگ ہے"۔ (النمل: ۴۰)

(۲) "انکار" اور "برأت" کے معنی میں۔ دراصل یہ ناشکری کا لازمہ ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

"پس جس نے طاغوت کا انکار کیا اور اللہ پر ایمان لے آیا اس نے ایک ایسا مضبوط سہارا تھام لیا جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں۔" (البقرۃ: ۲۵۶)

" (شیطان قیامت میں کہے گا) اس سے پہلے جو تم نے مجھے خدائی میں شریک بنا رکھا تھا میں اس سے بری الذمہ ہوں"۔ (ابراہیم: ۲۲)

علماء یہود کو متنبہ کرتے ہوئے کہا گیا ہے: "تم اسلام کے اولین منکر نہ بن جاؤ" (البقرۃ: ۴۱)

(۳) ایمان کے مقابل کے طور پر۔

واضح رہے کہ زیادہ تر مقامات پر ایمان کے بالمقابل ہی لفظ کفر کا استعمال ہوا ہے۔ بطور مثال دو آیات نقل کی جارہی ہیں:

"کیا تم کتاب کے ایک حصے پر ایمان لاتے ہو اور دوسرے حصے کے ساتھ کفر کرتے ہو؟" (البقرۃ: ۸۵)

"جس شخص نے ایمان کو کفر سے بدل لیا وہ راہ راست سے بھٹک گیا۔" (البقرۃ: ۱۰۸)

لغت اور قرآنی استعمالات کا ماحصل یہ ہے کہ "کفر" کے معنی چھپانے کے ہیں اور کافر کو کافر کہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ حق پر پردہ ڈال دیتا ہے۔ اللہ کے احسانات کا انکار کرتا ہے اور اس کی نعمتوں کو چھپاتا ہے۔ اسلام کی بنیادی تعلیمات کو تسلیم نہیں کرتا بلکہ ان کا انکار کرتا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں یہود ونصاریٰ اور مشرکین ہر ایک کی طرف لفظ "کفر" کی نسبت کی گئی ہے۔

یہود کے بارے میں کہا گیا: "مگر جب وہ چیز (اللہ کی کتاب) آگئی جسے وہ پہچان بھی گئے تو انہوں نے اسے ماننے سے انکار کردیا، اللہ کی لعنت ان کافروں پر۔" (البقرۃ: ۸۹)

نصاریٰ کے بارے میں کہا گیا: "یقیناً کفر کیا ان لوگوں نے جنہوں نے کہا کہ مسیح بن مریم ہی خدا ہے۔" (المائدہ: ۷۲)

ایک جگہ اہل کتاب اور مشرکین دونوں کی طرف ایک ساتھ کفر کی نسبت کی گئی ہے: "اہل کتاب اور مشرکین میں سے جن لوگوں نے کفر کیا ہے وہ یقیناً جہنم کی آگ میں جائیں گے۔" (البینۃ: ۶)

اصلاً دین حق کو ماننے والے اور نہ ماننے والوں کے درمیان فرق وامتیاز کرنے کے لئے دونوں کو الگ الگ نام دیا گیا ہے اور دونوں کے لئے "مومن" و "کافر" کے ایسے الفاظ وضع کئے گئے ہیں جو دونوں کے طرز عمل کی حقیقت پسندانہ عکاسی کرتے ہیں۔ اس میں نہ کسی کی توہین مقصود ہے نہ کسی سے نفرت و عداوت۔ یہاں تو معاملہ یہ ہے کہ جو جس نقطہ نظر کا حامل ہے اس کے اظہار کے لئے یہ تعبیر اختیار کی گئی ہے۔ اس لئے نہ اس میں کسی تبدیلی کی ضرورت ہے اور نہ اس کی کسی قسم کی غیر ضروری تاویل کی ضرورت ہے۔

اگر کسی "کافر" کو "مومن" کہا جاتا تو اس پر برانگیختہ ہونا حق بجانب ہوتا کہ اسے زبردستی "مومن" بنایا جارہا ہے لیکن جو خود اقراری کافر ہے اسے کافر کہنا کیسے غلط ہوا اور اس پر برانگیختہ ہونے کا سوال کہاں سے پیدا ہوتا ہے؟ برانگیختہ کرنے والا تو ان کا طرز عمل ہے کہ وہ بہت سے ان لوگوں کو زبردستی ہندو کہتے ہیں جو پوری وضاحت وصراحت اور اصرار کے ساتھ اپنے ہندو ہونے کا انکار کرتے ہیں۔ مثلاً سکھ برادری۔ بلکہ ان کا طرز عمل اس سے زیادہ گھناؤنا ہے۔ ہندو مذہب کی بعض کتابوں میں غیر ہندو کے لئے "ملیچھ" (ناپاک) کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ کیا یہ اہانت آمیز تعبیر نہیں ہے اور کیا ان سے اسے تبدیل کرنے کا مطالبہ نہیں کیا جانا چاہئے؟

رہا "کافر" کہنے کے لئے دعوت پہنچانے اور اتمام حجت کرنے کی شرائط پورا کرنے کا سوال تو واضح رہے کہ یہ خودساختہ شرائط ہیں جن کا قرآن وحدیث میں کہیں تذکرہ نہیں ہے اور نہ رسول اللہ و خلفائے راشدینؓ کے یہاں ایسی کسی شرط کا سراغ ملتا ہے۔ یہ ساری شرائط "کافر" کہنے کے لئے نہیں بلکہ ان سے برسرپیکار ہونے کے لئے بیان کی جاتی ہیں۔ ورنہ جہاں تک "کافر" کہنے کا سوال ہے مکی سورتوں کے اندر انہیں "کافر" قرار دیا گیا ہے (جیسا کہ سورۃ الزخرف کا حوالہ پہلے گزرا۔ خود سورۃ الکافرون مکی سورہ ہے) حالانکہ ہر ایک تسلیم کرتا ہے کہ مکہ کے اندر اتمام حجت نہیں ہوسکی تھی۔

یہ حقیقت بھی سمجھنا ضروری ہے کہ اتمام حجت ہوئی یا نہیں یہ کیسے فیصلہ ہوگا۔ انبیاء ورسل کے حق میں تو اللہ فیصلہ فرمادیتا تھا لیکن ہمارے لئے کوئی پیمانہ نہیں دیا گیا اور نہ ہی اسے طے کرنے کا ہمیں کوئی اختیار دیا گیا ہے بلکہ جہد مسلسل کا مکلف بنایا گیا ہے باقی فیصلے اللہ تعالیٰ خود فرمائے گا۔ اس لئے ایسی چیزوں میں الجھنا اور الجھانا خطرے سے خالی نہیں۔

●●

TELEGRAM : ADDAWAH NEW DELHI-110025
PHONES: Editor: 26958816, Manager: 26949539, Fax:26958816
E-mail:- dawattrust@yahoo.co.in, dawatnews@indiatimes.com

DAWAT SEHROZA
NEW DELHI-110025

R.N.I. No.522/57

POSTAL REGISTRATION No.
DL (S) - 05 / 3128 / 2000 - 2011 & DL (S) - 05 / 3266 / 2006-08 (Foreign Post)

جوہری اسلحے میں کمی کا معاہدہ ممکن

جنیوا۔ امریکہ اور روس نے باہمی تعلقات میں ایک نئے دور کا اشارہ دیتے ہوئے کہ اس برس کے آخر تک دونوں ممالک جوہری ہتھیاروں کے ذخائر کم کرنے کے ایک سمجھوتے پر متفق ہوجائیں گے۔ دونوں ملکوں کے وزرائے خارجہ ہلیری کلنٹن اور سرگئی لاوروف کے درمیان جنیوا میں پہلی ملاقات ہوئی۔ امریکی وزیر خارجہ ہلیری کلنٹن اور روسی وزیر خارجہ سرگئی لاوروف نے ملاقات کو سودمند اور تعمیری قرار دیا۔

روسی وزیر خارجہ سرگئی لاوروف کا کہنا تھا کہ تمام موضوعات پر اتفاق رائے کا دعویٰ تو مبالغہ ہوگا لیکن ہم شراکت' کھلے دل اور ایمانداری سے کام کرنے پر متفق ہوئے ہیں تاکہ اختلافی معاملات سمیت تمام مسائل سے نمٹ سکیں۔

روسی وزیر خارجہ مسٹر لاوروف نے کہا کہ اس ملاقات کی سب سے اہم بات یہی ہے کہ اب ہم دونوں ممالک کھلے دل اور ایمانداری سے کام کریں گے۔ امریکی وزیر خارجہ ہلیری کلنٹن نے ملاقات کو بش انتظامیہ کے دور کے تناؤ کے بعد تعلقات ازسرنو استوار کرنے سے تعبیر کیا۔ امریکی وزیر خارجہ ہلیری کلنٹن کا کہنا تھا کہ ملاقات میں افغانستان اہم موضوع تھا۔

ہم نے افغانستان پر اپنے تعاون کو مستحکم کرنے پر بات کی اور امریکہ نے افغانستان میں تعینات فوجیوں کے لئے غیر فوجی امداد فراہم کرنے کی اجازت کے روسی فیصلے کو سراہا بھی ہے۔ ●●

اقتصادی بحران کا حل آسان نہیں ہوگا

واشنگٹن۔ امریکہ کے صدر بارک اوباما نے امریکیوں پر زور دیا ہے کہ وہ شدید مشکلات میں گھری امریکی معیشت کو درست کرنے کے لئے ان کے منصوبے کی حمایت کریں۔ انھوں نے کہا کہ ''عین اس وقت'' کٹھن فیصلے کرنا بہت اہمیت رکھتا ہے۔ صدر اوباما نے ریڈیو پر اپنی ہفتہ وار تقریر میں کہا ہے کہ ان کا مجوزہ بجٹ ''اس اعتراف کی دیانتدارانہ عکاسی کرتا ہے کہ ہم اس وقت کہاں ہیں اور ہمیں کہاں جانے کی ضرورت ہے''۔

صدر بارک حسین اوباما نے حفظان صحت کے نظام کی اصلاح، روزگار کے مواقع کی فراہمی، کریڈٹ مارکیٹ میں جمود کے خاتمے اور ہاؤسنگ کے شعبے کی بحالی سمیت، معیشت کو درست کرنے کے لئے اپنے منصوبے کا خاکہ پیش کیا۔ صدر بارک اوباما نے کہا کہ چند دن پہلے کی یہ خبر کہ ملک میں بیروزگاری کی شرح پچیس برسوں میں بلند ترین سطح پر پہنچ گئی ہے، محض اعداد و شمار نہیں بلکہ لاکھوں امریکیوں کی مشکلات کی نمائندگی کرتی ہے۔ مسٹر اوباما نے کہا ہے کہ اقتصادی بحران کا حل، جلد یا آسان نہیں ہوگا۔ لیکن انھوں نے اس اعتماد کا اظہار کیا کہ اگر ملک، تیزی سے، جرأتمندی اور ذمہ داری کے ساتھ اقدامات کرے تو امریکہ زیادہ طاقتور اور خوش حال ہوکر ابھرے گا۔

شام میں امریکی ایلچیوں کے تعمیری مذاکرات

واشنگٹن۔ امریکی ایلچیوں نے ۷؍مارچ کو دمشق میں شام کے عہدیداروں سے ملاقات کی ہے۔ یہ ۲۰۰۵ء کے بعد سے امریکہ اور شام کے درمیان اعلیٰ ترین سطح کے مذاکرات ہیں۔ امریکہ کے قائم مقام معاون وزیر خارجہ جیفری فیلٹ مین اور وہائٹ ہاؤس کے عہدیدار ڈینیل شپیرو نے کہا ہے کہ انھوں نے وزیر خارجہ ولید المعلم کے ساتھ دوطرفہ تعلقات پر غور کیا ہے۔ فیلٹ مین نے مذاکرات کو ''بہت تعمیری'' قرار دیا۔

۲۰۰۵ء کے بعد سے جب شام کو لبنان کے سابق وزیر اعظم رفیق حریری کے قتل میں ملوث بتایا گیا تھا، دمشق میں امریکہ کا کوئی سفیر نہیں ہے۔ شام اس قتل میں اپنے ملوث ہونے کی تردید کرتا ہے۔ ہلیری کلنٹن نے کہا ہے کہ امریکہ اور شام نے ابھی محض ان مسائل کا جائزہ لینا شروع کیا ہے جن پر انہیں لازماً غور کرنا چاہئے۔ انھوں نے کہا کہ واشنگٹن نے ابھی اگلے قدم کے بارے میں فیصلہ نہیں کیا ہے۔ شام کے ساتھ کسی کامیاب مکالمے کے آغاز کا انحصار اس بات پر ہوگا کہ شام دہشت گردی اور ان دہشت گردوں کو مسترد کرتا ہے جو اسرائیلی فلسطینی امن کی کوششوں کے خلاف ہیں۔

ضرورت رشتہ

مغربی یوپی سے تعلق رکھنے والے تیس سالہ خوبرو نوجوان ایڈوکیٹ (تعلیم ایل ایل بی، ایم ایس ڈبلیو) جو نوئیڈا میں وکالت کرتے ہیں اور جن کا دہلی کے جامعہ نگر میں ذاتی فلیٹ ہے کیلئے خوبصورت تعلیم یافتہ دیندار لڑکی سے رشتہ مطلوب ہے۔ خواہشمند حضرات جلد رابطہ کریں:

Contact:
09811916351

اسرائیل کی بدنام زمانہ جاسوسی تنظیم 'موساد' کی کہانی اس کے سابق ممبر کی زبانی

اُردو میں دو اہم کتابیں

☆ موساد کا فریب ● قیمت-/300 ● صفحات 336 مجلد
☆ فریب کا دوسرا چہرہ ● قیمت-/275 ● صفحات 300 مجلد

مصنف: وکٹر اوسٹرووسکی

● تنظیم کے اندرونی ڈھانچہ اور ماحول کے بارے میں ناقابل فراموش معلومات ● عراقی ایٹمی ری ایکٹر کو تباہ کیے جانے کی سنسنی خیز تفصیل ● فریب کا دوسرا چہرہ میں مزید حیرتناک انکشافات۔

ملنے کا پتہ: COSMOS BOOKS E-79, Abul Fazl Enclave, Jamia Nagar Okhla, N-Delhi-25, Mobile:09891472714

دیگر پتے:
مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز نئی دہلی
P.O. Box No.9752, Jamia Nagar, New Delhi-110025
Ph:011-26954341, 26971652 Fax: 26950975, 269478..

نیو کریسنٹ پبلشنگ کمپنی
2035 قاسم جان اسٹریٹ، بلی ماران، دہلی-110006
Phone No.011-23262545, 55363445

حضرت محمدؐ: سیرت اور پیغام

نام کتاب	مصنف	قیمت
آپؐ کیسے تھے؟	عرفان خلیلیؒ	14/-
آخری رسول حضرت محمدؐ: سیرت اور پیغام	مولانا سید جلال الدین عمر	5/-
بزم پیغمبرؐ	مولانا مقبول احمد سیوہارویؒ	13/-
پیارے رسولؐ	افضل حسینؒ	10/-
پیارے نبیؐ ایسے تھے	مائل خیرآبادیؒ	10/-
پیکر جمیلؐ	حمید شاہد	100/-
حضرت محمدؐ: آغوش آمنہ سے غار حرا تک	علی اصغر چودھری	90/-
حضرت محمدؐ: غار حرا سے غار ثور تک	علی اصغر چودھری	115/-
حضرت محمدؐ: ہجرت سے الرفیق الاعلیٰ تک	علی اصغر چودھری	140/-
حیات رسولؐ (کوئز)	علی اصغر چودھری	40/-
دریتیمؐ	ماہر القادریؒ	60/-
دنیا کی عظیم ترین شخصیت	پروفیسر مرزا رفیع الدین احمد	5/-
رحمت عالمؐ	مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ	5/-
رحمۃ للعالمینؐ	مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ	8/-
سیرت کا پیغام	مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ	6/-
سیرت ختم الرسلؐ	مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ	16/-
محمد عربیؐ	مولانا محمد عنایت اللہ سبحانی	120/-
میلاد النبیؐ	مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ	8/-
ہمارے حضورؐ	عرفان خلیلیؒ	14/-
ہمارے رسول پاکؐ	طالب ہاشمی	50/-
قائد انسانیتؐ	سلیم احمد فاروقی	18/-
سیرت سرور عالمؐ اوّل (مجلد)	مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ	310/-
سیرت سرور عالمؐ دوم (مجلد)	مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ	200/-
محسن انسانیتؐ (مجلد)	نعیم صدیقیؒ	225/-
سید انسانیتؐ	نعیم صدیقیؒ	55/-
عہد نبوی کا مدنی معاشرہ	ڈاکٹر سید محمد لقمان اعظمی ندوی	160/-
حیات سرور کائناتؐ	ابوبکر سراج الدین (مارٹن لنگس)	175/-
سیرت رسولؐ: دروس اور نصائح	محمد سعید رمضان البوطی	160/-
جلوۂ فاراں	مولانا محمد عنایت اللہ سبحانی	85/-
حضور اکرمؐ اور ہجرت	ڈاکٹر سید اسعد گیلانی	40/-
رسول کریمؐ کی جنگی اسکیم	عبدالباری ایم اے	65/-
رسول کریمؐ کی سماجی زندگی	متین طارق باغ پتی	60/-
سرور عالمؐ	مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ	6/-
غزوات رسول اللہؐ	بریگیڈیر گلزار احمد	90/-
غزوات مقدس	مولانا عنایت اللہ وارثی	45/-
نبی کریمؐ کی نمازیں	مولانا طاہر رسول قادری	22/-
نراشنس اور آخری رسولؐ	پنڈت وید پرکاش اپادھیائے	10/-
آنحضرتؐ کا سلسلہ نسب اور اہل کتاب	مولانا حمید الدین فراہیؒ	5/-

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز

P.O. Box No. 9752, Jamia Nagar, New Delhi-110025
Ph: 26954341, 26971652, 26946447(D) Fax : 26947858
E-mail: mmipublishers@gmail.com. Website: www. mmipublishers.net

بقیہ: مسلم لڑکیوں کا برقع شرپسندوں کے نشانے پر

سے مسلمانوں پر دہشت گردی کا جھوٹا الزام لگا کر انہیں جیل میں ٹھونس دیا گیا اور نہ جانے کتنوں کو فرضی انکاؤنٹر میں ماردیا گیا۔ جن پولس اہلکاروں نے دہشت گرد بتا کر متعدد مسلم جوانوں کا انکاؤنٹر کیا ان میں اعلیٰ سطح کے افسران بھی شامل تھے۔ بعض رپورٹیں اس طرف بھی اشارہ کرتی ہیں کہ مودی حکومت نے ان کی پشت پناہی کی اور سرکار کے بڑے بڑے عہدیداران سے ان کے قریبی تعلقات تھے۔ بی جے پی حکومت کو اپنی پشت پر سمجھ کر آج بھی گجرات میں شدت پسند عناصر اقلیتوں کے خلاف زہر اگل رہے ہیں۔

ایسے حالات میں ضروری ہوجاتا ہے کہ مرکزی حکومت ان شرپسند ٹولیوں کے خلاف ازخود سخت کارروائی کرے اور وہ صوبائی حکومتیں جو اقلیتوں پر ہونے والے مظالم پر خاموش رہتی ہیں یا شرپسندوں کی واسطہ یا بلاواسطہ طور پر مدد کرتی ہیں ان کی سرزنش کرے۔ مگر المیہ یہ ہے کہ مرکزی حکومت بھی عام طور سے اس طرح کے معاملات میں خاموشی اختیار کرتی ہے۔ اگر ان گروہوں کے خلاف ذرا بھی سرگرم ہوتی تو اب تک سنگھ پریوار، وشو ہندو پریشد، بجرنگ دل جیسی تنظیموں پر کبھی کی پابندی عائد کرچکی ہوتی۔ کیونکہ ان تنظیموں کے دامن پر بلاشک وشبہ ہزاروں انسانوں کے خون کے دھبے ہیں۔ انہوں نے نہ جانے کتنے فرقہ وارانہ فسادات کو جنم دیا ہے جن میں مسلمانوں کا بڑے پیمانے پر جانی ومالی نقصان ہوا۔ یہی نہیں بلکہ رپورٹوں سے یہ بات بھی ثابت ہوگئی ہے کہ سنگھ پریوار اور متعدد سخت گیر جماعتیں ملک کے جمہوری نظام کا بھی تختہ پلٹ دینا چاہتی ہیں اور اس کے لیے جہاں وہ ملک گیر پیمانہ پر بدامنی و دہشت گردی کا گھناؤنا کھیل کھیل رہی ہیں وہیں دنیا کے سب سے بڑے دہشت گرد ملک اسرائیل کے ساتھ بھی سانٹھ گانٹھ میں لگی ہوئی ہیں۔ ملک سے اتنی سخت بغاوت کا تقاضا تو یہ تھا کہ حکومت ان پر ایک لمحہ بھی ضائع کیے پابندی عائد کرتی اور ان تنظیموں سے وابستہ افراد سے سخت باز پرس کرتی لیکن ان کی دہشت گردانہ کارروائیوں کے ثابت ہوجانے کے باوجود بھی نہ ان پر پابندی لگائی گئی اور نہ ہی انہیں کوئی اور سزا دی گئی۔ سوال یہ ہے کہ جب ملک مخالف سرگرمیوں میں ملوث افراد اور گروہوں کو بار بار اس طرح نظرانداز کیا جاتا رہے گا تو آگے چل کر ان کی ملک اور اقلیت مخالف سرگرمیاں کس قدر شدید ہوجائیں گی، اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

مرکزی وصوبائی سرکاروں کو یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہئے کہ آج جو عناصر اقلیت مخالفت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے ہیں، کل ان کا ظلم صرف اقلیتوں تک محدود نہ رہے گا بلکہ ان کی زیادتیوں سے اکثریتی فرقہ کو بھی پریشانیاں لاحق ہوں گی۔ یہاں تک کہ حکومتوں کو بھی مختلف الانواع مسائل کا سامنا کرنا پڑے گا اور کچھ بعید نہیں کہ آگے چل کر منفی کارروائیوں کو انجام دینے والے عناصر وگروہ ملک کے خلاف ہی سرگرم ہوجائیں جس کے اشارے ابھی سے ملنے بھی لگے ہیں۔

آج اگر کرناٹک میں برقع کے خلاف تشدد برپا کرنے والوں کو نہیں روکا گیا تو دوسری ریاستوں میں بھی مسلم مخالف گروہ اس طرح کی حرکتیں کرنے سے باز نہیں آئیں گے جسے ملک کے مسلمان کسی بھی صورت برداشت نہیں کرسکیں گے۔ کیونکہ یہ نہ صرف مسلمانوں کے مذہبی تقاضے کے منافی عمل ہوگا بلکہ مسلمانوں کی عزت وآبرو سے بھی کھلواڑ ہوگا اور مسلمان ہرگز ہرگز اس طرح کھلے عام اپنی خواتین کو شرپسندوں کے ہاتھوں بے آبرو ہوتا نہیں دیکھ سکیں گے۔ اس لیے انتظامیہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ وقت کے تقاضے کو سمجھے، مسئلہ کی نزاکت کو پیش نظر رکھے اور برقع کی مخالفت کرنے والے عناصر وگروہوں کے خلاف سخت کارروائی کرے۔ یہی ملک کے آئین اور جمہوری نظام کا بھی تقاضا ہے۔ ●●

دعوت

پرنٹر، پبلشر خلیل احمد نے دعوت ٹرسٹ (رجسٹرڈ) کی جانب سے ایرانین آرٹ پرنٹرز قاسم جان اسٹریٹ بلیماران دہلی ۱۱۰۰۰۶ میں برائے دعوت آفسیٹ پرنٹرز چھپوا کر دفتر ''دعوت'' ڈی ۳۱۴، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، اوکھلا، نئی دہلی ۲۵ سے شائع کیا۔
ایڈیٹر: پرواز رحمانی
اسسٹنٹ ایڈیٹر: شفیق الرحمن
سب ایڈیٹرس: محمد صبغۃ اللہ ندوی، عقیدت اللہ قاسمی
عمیر کوثی ندوی، اشرف علی بستوی

ضرورت رشتہ

سنی سید 28/5'3" رنگ گورا، خوبصورت، مسلم بی۔اے واویب کامل مہذب و دیندار گھرانہ، لڑکی کے لئے سروس مین/ بزنس مین رشتہ چاہئے۔ صرف شیخ/ سید/ پٹھان۔ مغربی یوپی کو ترجیح۔

رابطہ کریں:
09410432811

بقیہ: اسلامک فقہ اکیڈمی کے ۱۸ویں سیمینار کے چند اہم فیصلے

اسی طرح شریعت نے سودی قرض لینے اور سود ادا کرنے کو بھی حرام قرار دیا ہے؛ اسلئے بنیادی طور پر تعلیم کے لئے سودی قرض حاصل کرنا جائز نہیں؛ البتہ اگر کسی کے پاس مالی گنجائش نہ ہو، غیر سودی قرض نہ مل پائے اور اس کے مطلوبہ تعلیم سے محروم رہ جانے کا اندیشہ ہو تو ایسے طلبہ کو چاہئے کہ کسی معتبر مفتی کے سامنے اپنے حالات رکھ کر ان کے مشورے پر عمل کریں۔

پلاسٹک سرجری

(۱) جسمانی عیب دور کرنے کے لئے پلاسٹک سرجری جائز ہے، اور عیب سے مراد جسم میں پائی جانے والی ایسی صورت ہے، جو معروف و معتاد اور عمومی تخلیقی کیفیت سے مختلف ہو، چاہے پیدائشی عیب ہو یا بعد میں پیدا ہوجائے۔ (۲) جسمانی تکلیف کے ازالہ کیلئے اگر ڈاکٹر کا مشورہ ہو تو پلاسٹک سرجری جائز ہے۔ (۳) درازی عمر کی وجہ سے طبعی طور پر انسان کی ظاہری حیثیت میں جو تغیر آتا ہے، جیسے جھریوں کا پیدا ہوجانا وغیرہ، ان کو ختم کرنے کے لئے پلاسٹک سرجری جائز نہیں۔ (۴) ناک اور دوسرے اعضاء، خلقی طور پر کم خوبصورت اور غیر متناسب ہوں؛ مگر انسان کی عمومی معتاد خلقت کے دائرہ سے باہر نہ ہوں تو زینت اور محض خوبصورتی کیلئے پلاسٹک سرجری جائز نہیں۔ (۵) اپنی شناخت چھپانے کیلئے پلاسٹک سرجری جائز نہیں، سوائے اس کے کہ مظلوم کو ظالم سے بچنے کے لئے ایسا کرنا پڑے۔

خواتین کی ملازمت

(۱) یہ ایک حقیقت ہے کہ اسلام خاندانی نظام کے استحکام کو بڑی اہمیت دیتا ہے؛ چنانچہ اس مقصد کے پیش نظر اس نے مردوں وعورتوں کی ذمہ داریوں میں تقسیم کار سے کام لیا ہے کہ گھر سے باہر کی ذمہ داریاں جن میں کسب معاش کی تگ ودو بھی داخل ہے مردوں سے متعلق ہوں گی اور گھر کے اندر کے امور عورتوں سے متعلق ہوں گے، یہ وہ بہترین تقسیم کار ہے، جو مسلم معاشرے میں آج بھی بڑی حد تک خاندانی استحکام کو باقی رکھے ہوئے ہے؛ اسلئے کسب معاش بنیادی طور پر مردوں کی ذمہ داری ہے نہ کہ عورتوں کی، عورتوں کو بلاضرورت آزادی وترقی کے نام پر کسب معاش پر مجبور کردینا ایک سماجی ظلم ہے کہ عورتیں بچوں کی پرورش ونگہداشت اور امور خانہ داری وغیرہ اپنے منصبی فرائض بھی انجام دیں اور اس دوڑ دھوپ میں بھی مردوں کی شریک ہوں۔ (۲) عام حالات میں شریعت نے خواتین پر کسب معاش کی ذمہ داری نہیں رکھی ہے؛ لیکن شرعی حدود میں رہتے ہوئے ان کیلئے کسب معاش مباح ہے۔ (۳) شریعت نے اصولی طور پر خواتین پر نفقہ کی ذمہ داری نہیں رکھی ہے؛ البتہ بعض حالات میں ان پر نفقہ کی ذمہ داری عائد کی گئی ہے۔ (۴) شرعی حدود وشرائط کا پورا پورا لحاظ کرتے ہوئے عورت کے لئے معاشی جدوجہد جائز ہے۔ (۵) عورت کے اندرون خانہ کسب معاش کے لئے کوئی صورت اختیار کرنے کی اجازت ہے؛ بشرطیکہ اس سے شوہر اور بچوں کے حقوق متاثر نہ ہوں۔ (۶) (الف) شوہر یا ولی اگر عورت کی کفالت کررہے ہوں، تو ہر عورت کے لئے کسب معاش کی غرض سے گھر سے باہر جانے کے لئے ان کی اجازت ضروری ہے، خواہ وہ جگہ مسافت سفر سے کم ہو یا اس سے زیادہ۔ (ب) رات میں کسب معاش کی خاطر عورت کے باہر نکلنے کے لئے شوہر یا محرم کا ساتھ ہونا ضروری ہے۔

(۷) خواتین کسب معاش کے لئے گھر سے باہر نکلیں تو درج ذیل امور کا لحاظ رکھنا ضروری ہے: (الف) ولی یا شوہر کی اجازت شامل ہو، سوائے اس کے کہ ولی یا شوہر نفقہ نہ دیتا ہو اور اس کے لئے خود کسب معاش کے سوا کوئی چارہ نہ ہو۔ (ب) شرعی پردہ کی مکمل رعایت ہو۔ (ج) لباس مردوں کیلئے باعث کشش نہ ہو۔ (د) خوشبو کے استعمال سے پرہیز ہو۔ (ھ) مردوں سے اختلاط بالکل نہ ہو۔ (و) اجنبی مرد کے ساتھ تنہائی کی نوبت نہ آئے۔ (ز) شوہر اور بچوں کے حقوق سے بے اعتنائی نہ ہو۔ (۸) ملازمت کرنے والی خواتین ایسے اداروں میں کام کریں، جہاں خواتین ہی خدمت انجام دیتی ہوں؛ لیکن ادارے کے ذمہ دار مرد ہوں، تو اس صورت میں ضروری ہوگا کہ ادارے کا کوئی مرد تنہائی میں کسی خاتون کارکن سے بات نہ کرے، اگر ذمہ دار مردوں کے ساتھ تبادلہ خیال کی ضرورت ہو تو خواتین پردہ کے اہتمام کے ساتھ بیٹھیں، اپنی آواز میں لوچ سے پرہیز کریں، اسی طرح خواتین کارکن ذمہ دار مردوں کے ساتھ ہنسی مذاق اور بے تکلفی کا ماحول ہرگز نہ بنائیں۔ (۹) جوان عورتوں کے لئے ایسے اداروں میں کام کرنا جائز نہیں، جہاں ان کے ساتھ مرد کارکن بھی شریک کار ہوں۔ (۱۰) ملازمت کی غرض سے عورت کا اپنے گھر اور اپنے اقارب سے دور تنہا مستقل قیام کرنا جائز نہیں، اگر کسی عورت کے ساتھ بہت مجبوری ہو تو پھر وہ مفتی سے رابطہ کرکے اپنی مشکل کا حل تلاش کرسکتی ہے۔ (۱۱) سیمینار میں حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ خواتین کیلئے رات کی ڈیوٹی کو ممنوع قرار دیا جائے؛ کیوں کہ رات کے وقت ڈیوٹی کے لئے جائے ملازمت تک جانا یا جائے ملازمت پر قیام کرنا ان کی جان و ناموس کے تحفظ کے لئے خطرہ ہے اور یہ ہمارے ملک کے معاشرتی اقدار کے بھی مغائر ہے۔ (۱۲) سیمینار میں حکومت تعلیمی و رفاہی اداروں اور خاص کر مسلمان انتظامیہ سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ لڑکیوں کی تعلیم کے لئے الگ درسگاہیں اور خواتین کے لئے الگ ہسپتال، اسی طرح شعبہ ہائے زندگی میں عورتوں کے لئے علاحدہ کاؤنٹرز قائم کریں؛ تاکہ خواتین اور لڑکیاں پاکیزہ اخلاقی ماحول میں تعلیم وعلاج وغیرہ کی خدمات سے فائدہ اٹھاسکیں اور ضرورت مند خواتین کے لئے روزگار کے مواقع بھی بڑھیں۔ ●●

خصوصی ایڈیشن — سنہری موقع

میلاد النبیؐ کے مبارک موقع پر

برادرانِ وطن کو سیرتؐ پر کتابوں کا تحفہ پیش کریں

	نام کتاب	نام مصنف	ڈیلکس ایڈیشن	دعوتی ایڈیشن
☆	پیارے نبیؐ کی پاک زندگی (اردو و ہندی)	اعجاز الحق قدوسی	25.00	....
☆	प्यारे नबी (सल्ल.) की पाक ज़िन्दगी (हिन्दी)	اعجاز الحق قدوسی	35.00	7.00 net
☆	محمدؐ اسلام کے پیغمبر (ہندی / انگریزی) मुहम्मद (स.) इस्लाम के पैग़म्बर	پروفیسر راما کرشنا راؤ	15.00	4.00 net
☆	Muhammad: Prophet of Islam	Prof. K. S. Rama Rao	15.00	4.00 net
☆	مانوتا کا آدرش (ہندی) मानवता का आदर्श	ثناء اللہ	3.00	....
☆	مانوتا اُپکارک حضرت محمدؐ (ہندی) मानवता उपकारक हज़रत मुहम्मद (सल्ल.)	امام الدین رام نگری	12.00	....
☆	حضرت محمدؐ سب کے لیے (ہندی) हज़रत मुहम्मद (सल्ल.) सबके लिए	ڈاکٹر محمد احمد	40.00	....
☆	مثالی رہنما حضرت محمدؐ (ہندی) मिसाली रहनुमा हज़रत मुहम्मद (स.)	عنایت اللہ سبحانی	10.00	....
☆	میلاد النبیؐ (ہندی) मीलादुन्नबी	سید ابوالاعلیٰ مودودی	3.00	....
☆	حضرت محمدؐ آدرش وشو نایک (ہندی) हज़रत मुहम्मद (सल्ल.) आदर्श विश्व नायक	سید حامد علی	12.00	....
☆	آخری پیغمبرؐ (ہندی) आख़िरी पैग़म्बर (सल्ल.)	سید محمد اقبال	5.00	....
☆	حضرت محمدؐ اور ہندوستانی مذہبی کتابیں (اردو و ہندی / انگریزی)	ڈاکٹر ایم۔اے۔ شریواستو	15.00	....
☆	हज़रत मुहम्मद (सल्ल.) और भारतीय धर्म ग्रन्थ (हिन्दी)	ڈاکٹر ایم۔اے۔ شریواستو	15.00	4.00 net
☆	Hazrat Muhammad & Bhartiya Dharma Grantha	ڈاکٹر ایم۔اے۔ شریواستو	20.00	....
☆	حضرت محمدؐ ہی کیوں؟ (ہندی) हज़रत मुहम्मद (स.) ही क्यों?	مولانا سید سلمان ندوی	75.00	....
☆	حضرت محمدؐ کھنڈ کاویہ (ہندی) हज़रत मुहम्मद (स.) खंडकाव्य	ڈاکٹر رام پرساد مشرا	50.00	....
☆	مہاکاویہ: حضرت محمدؐ (ہندی) महाकाव्य : हज़रत मुहम्मद (स.)	سگن چند ملتیش	75.00	....

نوٹ: دعوتی ایڈیشن کا آرڈر 100 کاپی سے کم کی تعداد میں ارسال نہ کیا جاسکے گا۔ ڈاک یا ٹرانسپورٹ خرچ بذمہ خریدار ہوگا۔

مدھر سندیش سنگم

E-20، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی-110025
فون نمبر: 011-26953327, 09212567559
ای میل: madhursandeshsangam@yahoo.co.in

جموں وکشمیر یتیم خانہ سری نگر

ایک تعارف

یہ ادارہ ★ دو ہوسٹل چلاتا ہے جن میں چار سو یتیم بچے رہتے ہیں ★ یتیموں کے لئے ایک چیریٹیبل ہائر سکنڈری اسکول چلاتا ہے ★ مختلف آبادیوں میں دستکاری کے ساتھ چیریٹیبل مراکز چلاتا ہے ★ چار سو بیواؤں کو ماہانہ امداد دیتا ہے ★ ایک سو معذور افراد کو مالی امداد فراہم کرتا ہے ★ یتیم بچیوں کو مالی امداد دے کر شادی کے لئے ان کی حوصلہ افزائی کرتا ہے ★ تعلیم کے لئے سو یتیم بچیوں کی مدد کرتا ہے ★ ہائیر اور ٹیکنیکل تعلیم کے لئے منتخب شدہ یتیم بچوں کی مالی امداد کرتا ہے ★ غریب، نادار اور محتاج مریضوں کی روزانہ امداد کرتا ہے

اس یتیم خانے کا معائنہ کیجئے

اور ہماری عملی خدمات اپنی آنکھوں سے دیکھئے۔ ہر چیز کھلی ہے، حسابات چیک ہوتے ہیں۔ ۰۹-۲۰۰۸ کا بجٹ تقریباً کروڑ روپے ہے۔ ہم اپنی یہ خدمات بلالحاظ مذہب وملت پیش کرتے ہیں۔ بس آخرت میں اچھے اجر کی طلب اور دوزخ سے پناہ مطلوب ہے۔

اپنے عطیات اس نام سے بھیجیں
"J & K YATEEM KHANA, A/C No. SB7378"
JK Bank, Chawri Bazar, Delhi-110006

ایس اے بخاری (چیئرمین)
09419059772

Jammu & Kashmir Yateem Khanah (Orphanage)
Bemina - Chatabal Crossing, Srinagar - 190010
Ph.: 0194-2471707, Mob.:09419056249, 09419059133,
Fax:0194-2481056